بسم اللہ الرحمن الرحیم
لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه
حٰم السجدہ ۴۲
عظمتِ قرآن
محمد ہمایوں عباس شمس
جامعہ تبلیغ الاسلام خیابان امین
فیصل آباد
بزمِ اقبال
TEL: 04691-3
Q-3
141
7330

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

قرآن پر کئے گئے اعتراضات کا جواب

عظمت قرآن

مصنف

محمد ہمایوں عباس شمس

بزم اقبال

جامعہ تبلیغ الاسلام، خیابانِ امین فیصل آباد

info@bazamiqbal.bizland.com

http://bazamiqbal.bizland.com

نام کتاب	**عظمت قرآن**
مصنف	محمد ہمایوں عباس شمس
کمپوزنگ	سید زاہد حسین گیلانی
پروف ریڈنگ	محمد زاہد فاروقی
اشاعت اول	۲۰۰۰ء

ملنے کا پتہ

☆ سلطانی گرائمر سکول گلی نمبر ۱، فتح آباد فیصل آباد۔

☆ مکتبہ صبح نور، پیپلز کالونی نمبر ۱، فیصل آباد۔

☆ انٹرنیشنل اسلامک نیوز ایجنسی، لوئر پلیٹ،
پی۔ او بکس 100 مظفر آباد، آزاد کشمیر۔

☆ D-25 کویت ہاسٹل،
انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد۔

انتساب

سیدی و مرشدی علامہ محمد کریم سلطانی مد ظلہ العالی

کے قائم کردہ

جامعہ تبلیغ الاسلام

کے نام

جس کی پر کیف روحانی، علمی اور فکری فضا میں یہ اوراق تحریر کئے گئے۔

خادم قرآن

محمد ہمایوں عباس شمس

حرف اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(صلی اللہ علی حبیبہٖ سیدنا محمدٍ و آلہ وسلم)

جب سے قرآن کریم کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا ہے، انسانی معاشرے کے اہل فکر و دانش نے اس الٰہی و ملکوتی کتاب کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی کوشش بھی شروع کی تاکہ انسان کی معنوی، مادی، انفرادی و اجتماعی زندگی اس سے راہنمائی حاصل کر سکے۔ اور انسان انسانیت کے مراتب و مدارج طے کرتا ہوا مزید آگے بڑھ سکے۔

مسلمان معاشروں میں عصر حاضر کا ایک بڑا المیہ اپنی پہچان اور شناخت کا کھو دینا ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ اپنی منزل سے بہت دور ہو چکی ہے۔ مسلم قوم نے جب ہندوستان کی عظیم جغرافیائی ریاست کو مسترد کر کے ایک چھوٹے لیکن الگ اسلامی ملک کے قیام کا نعرہ بلند کیا تو انکے نزدیک اہم ترین بات یہی تھی کہ ہم مسلم ہیں اور ہماری شناخت اسلام ہے۔ اپنی شناخت کو ہم اسی صورت میں بچا سکتے ہیں جب ہمیں الگ سے ایک ریاست مل جائے جہاں پر ہندومت، عیسائیت کی بجائے اسلام اور قرآن کریم کی حکمرانی ہو۔ کیونکہ قرآن کریم ہی ایک مسلمان کی پہچان ہے اور اس کی

تعلیمات کا علم اور ان پر عمل ہی اس کا تشخص ہے۔

جبکہ اللہ کی دشمن قوتوں نے مسلم امۃ سے یہ احساس اور قرآن کریم کی یہ معرفت چھیننے اور اسے الٰہی قدروں سے محروم کر کے اپنے رنگ میں رنگنے کے لئے ان گنت اقدامات کئے جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

☆ علمی و تعلیمی میدانوں میں قدیم نظام تعلیم کو آہستہ آہستہ ختم کر کے اس کی جگہ ایسا نظام متعارف کرایا گیا جہاں کا فارغ التحصیل ایک ماہر ڈاکٹر یا کیمیا دان تو بن سکے لیکن ایک کامیاب اور بیدار مسلمان نہ بن پائے۔

☆ مسلمانوں کے اذہان میں یہ بات آہستہ آہستہ ڈال دی گئی کہ اسلام صرف چند عبادات و رسوم سے عبارت ہے اور انسانی معاشرے کی اجتماعی زندگی کے مسائل کا حل اسلام کے دائرہ کار سے باہر ہے تا کہ دین کو قرآن سے جدا کر دیا جائے۔

☆ قرآن پاک پر مختلف مذاہب کے لوگوں کے اعتراضات کرنا، تا کہ اس کتاب کو غلط ثابت کیا جا سکے۔

☆ جو لوگ قوم و زبان پرستی کی زد سے بچ گئے انہیں مختلف فرقوں کے امتیازات کی بنیاد پر تقسیم کر کے ان کے درمیان نفرتوں اور کدورتوں کا بیج بویا گیا تا کہ رہتی دنیا تک اسلام اور اللہ رب العزت کے نام لیوا آپس میں

انہیں امتیازات اور اختلافات کی بنیاد پر لڑتے رہیں۔

اسی طرح اور بھی حربے امت مسلمہ کو تقسیم کرنے کے لئے استعمال کئے گئے۔ ضرورت ہے ایسے اہل فکر ونظر کی جو اسلام کی عظمت رفتہ کو اپنی حریت فکر کے ساتھ دوبارہ زندہ کرنے کے لئے زبان کے علاوہ قلم کا اسلحہ استعمال کریں اور ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کو ان کی اسلامی شناخت لوٹا سکیں۔

انہی اہل فکر ونظر میں سے استاذ محترم محمد ہمایوں عباس شمس ہیں۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں آپ نے کئی علمی و تحقیقی مضامین تحریر کئے ہیں جو مختلف رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ آپ "حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیری وفقہی خدمات" کے موضوع پر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے اپنے شیخ حضرت علامہ محمد کریم سلطانی مدظلہ العالی کے حکم پر پی ایچ ڈی بھی کررہے ہیں۔

زیرنظر کتاب عیسائیوں کے قرآن کریم پر کیے گئے اعتراضات کے رد میں لکھے گئے جوابات ہیں جنھیں علمی و تحقیقی انداز پر ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ اگرچہ تمام اعتراضات کا جواب نہیں لیکن انشاء اللہ ان تمام غلط فہمیوں کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

اس سے آپ نے انسانی معاشرے کو یہ پیغام دیا ہے کہ اگر حیات

دنیوی واخروی میں سکون ،لذت ، اطمینان اورنجات حاصل ہوسکتی ہے تو صرف اسلامی تشخص اور شناخت کو زندہ کر کے، جو نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی بنیاد اور اساس ہے۔ عہدیداران بزمِ اقبال (جامعہ تبلیغ الاسلام فیصل آباد) حافظ محمد صدیق ،سید زاہد حسین گیلانی ،محمد سرفراز کے علاوہ حافظ محمد عابد صدیقی ، پروفیسر ساجد علی فاروقی ،سعید احمد رضوی ،ڈاکٹر صغیر احمد اور رفاقت رسول (صدر بزم کریمی فیصل آباد) بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی۔

قرآن کریم کی تعلیمات وہ لازوال حقیقتیں ہیں جن میں غور وفکر اور تدبر انسان پر فہم وادراک کے نئے دریچے کھولتا ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین! بجاہ سید المرسلین

محمد زاہد فاروقی

متعلم

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی متصل فیصل مسجد

اسلام آباد

قرآن کریم انسانیت کے نام اللہ کریم جل شانہ کا آخری پیغام ہے جو اس نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا۔ دیگر الہامی کتب پر اس کتاب مقدس کو کئی اعتبارات سے فضلیت حاصل ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون کہہ کر اسکی حفاظت کا ذمہ خود خالق کائنات نے لیا۔ ذلک الکتاب لاریب فیہ کہہ کر اسکی عظمت کی گواہی دی۔

ان الفاظ سے یہ واضح کر دیا کہ انسانی ہاتھ کبھی اس میں تغیر وتبدل نہیں کر سکتے۔ اسکے اعجاز کو عہد رسالت ﷺ کے مفکرین نے بھی مانا تو آج اگر کوئی انکار کرے تو اسکی کیا حیثیت ہوگی۔ المواھب للدینہ میں کسی بزرگ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: "اگر قرآن کریم کا کوئی نسخہ جنگل میں پڑا ہوا، کسی کو مل جائے اور اسے یہ پتہ نہ ہو کہ یہ کس نے رکھا ہے تو صاحب عقل سلیم اسے پڑھ کر گواہی دے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ کسی انسان اور جن کی یہ طاقت نہیں کہ اس جیسا کلام بنا سکے۔"

(ضیاء النبی جلد پنجم، ص:۶۵۱)

یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کو اسکے کلام الہی ہونے کا علم نہ تھا انہوں نے بھی اس کے حسن ترتیب کی تعریف کی اصمعی کہتے ہیں: ایک دن میں نے

قرآن کی آیت السارق والسارقة ---- الخ - پڑھی اور غلطی سے

واللہ غفور رحیم کہہ دیا۔ ایک اعرابی بھی پاس تھا اس نے پوچھا کہ یہ

کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کا، اس نے جواب دیا یہ اللہ کا کلام

نہیں ہوسکتا اصمعی کہتے ہیں میں اپنی غلطی سے آگاہ ہوا اور کہا واللہ عزیز

حکیم اعرابی کہنے لگا یہ اللہ کا کلام ہے۔

فقلت اتقرا القرآن ؟

قال: لا

قلت : فمن این علمت انی اخطات !

فقال یا ھذا: عزّ فحکم فقطع و لو غفر رحم لما قطع یعنی

غالب وقدرت والے اللہ نے ہاتھ قطع کرنے کا حکم دیا اگر اس نے معاف کر

دیا اور رحم کیا تو قطع ید کا حکم کیوں؟

(زادالمسیر، ابن جوزی جلد دوم، ص:۳۵۴)

(صفوۃ التفاسیر، محمد علی الصابونی، جلد اول، ص:۳۴۲)

مورخین کا بیان ہے کہ عراق کے ایک عظیم فلسفی اسحاق کندی کو یہ خبط

سوار ہوا کہ قرآن کریم میں تناقص ثابت کرے اور یہ بتادے کہ قرآن کریم

کی ایک آیت دوسری آیت سے اور ایک مضمون دوسرے مضمون سے ٹکراتا

ہے۔ اس نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے کتاب "تناقص القرآن" لکھنا شروع کی اور اس درجہ منہمک ہو گیا کہ لوگوں سے ملنا جلنا اور کہیں آنا جانا سب ترک کر دیا۔ حضرا امام حسن عسکری کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس کے خبط کو دور کرنے کے لئے ارادہ فرمایا، آپ کا خیال تھا کہ اس پر کوئی ایسا اعتراض کر دیا جائے جسکا وہ جواب نہ دے سکے اور مجبوراً اپنے ارادے سے باز آ جائے۔ اتفاقاً ایک دن آپ کی خدمت میں اس کا ایک شاگرد حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا تم میں کوئی ایسا نہیں جو اسحاق کندی کو "تناقص القرآن" لکھنے سے باز رکھ سکے۔ اس نے عرض کی، میں اس کا شاگرد ہوں، بھلا اس کے سامنے لب کشائی کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا تم یہ کر سکتے ہو کہ جو میں کہوں وہ اس تک پہنچا دو۔ اس نے کہا کر سکتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا پہلے تم اس سے موانست پیدا کرو اور اس پر اعتبار جماؤ، جب وہ تم سے مانوس ہو جائے اور تمھاری بات توجہ سے سننے لگے تو اس سے کہنا " ان اتاک ھذا المتکلم بھذا القرآن ھل یجوز ان یکون مرادہ بما تکلم منہ عن المعانی التی قد ظننتھا انک ذھبتھا الیھا " اگر اس کتاب یعنی قرآن کا مالک تمھارے پاس اسے لائے تو کیا ہو سکتا ہے کہ اس کلام سے جو مطلب اس کا ہو، وہ تمھارے سمجھے

ہوئے معانی ومطالب کے خلاف ہو، جب وہ تمھارا یہ اعتراض سنے گا تو چونکہ ذھین آدمی ہے فوراً کہے گا بے شک ایسا ہو سکتا ہے۔ جب وہ یہ کہے تو تم کہنا کہ کتاب "تناقص القرآن" لکھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ تم اس کے جو معنی سمجھ کر اس پر اعتراض کر رہے ہو، ہو سکتا ہے وہ خدائے مقصود کے خلاف ہو۔ ایسی صورت میں تمھاری محنت ضائع و برباد ہو جائے گی۔ کیونکہ تناقص تو تب ہو سکتا ہے جب تمھارا سمجھا ہو مطلب صحیح اور مقصود خداوندی کے مطابق ہو اور ایسا یقینی طور پر نہیں تو تناقص کہاں رہا۔؟ الغرض وہ شاگرد اسحاق کندی کے پاس گیا اور اس نے امام کے بتائے ہوئے اصول پر اس سے مذکورہ سوال کیا ۔اسحاق کندی یہ اعتراض سن کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا پھر سوال دہراؤ، اس نے یہ اعادہ کیا۔ اسحاق تھوڑی دیر کیلئے محو فکر ہو گیا اور دل میں کہنے لگا کہ بے شک اس قسم کا احتمال باعتبارِ لغت اور بلحاظ فکر و تدبر ممکن ہے۔ پھر اپنے شاگرد کی طرف متوجہ ہو کر بولا! میں تمھیں قسم دیتا ہوں تم مجھے صحیح صحیح بتاؤ کہ تمھیں یہ اعتراض کس نے بتایا ہے۔ اس نے جواب دیا میرے شفیق استاد یہ میرے ہی ذہن کی پیداوار ہے۔ اسحاق نے کہا ہرگز نہیں یہ تمھارے جیسے علم والے کے بس کی بات نہیں۔ تم سچ کہو کہ تمھیں کس نے بتایا اور اس اعتراض کی طرف کس نے رہبری کی۔

شاگرد نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ مجھے امام حسن عسکری نے فرمایا تھا۔ اور میں نے انہیں کے بتائے ہوئے اصول پر آپ سے سوال کیا۔ اسحاق کندی بولا ۔" الان جنت به " اب تو نے سچ کہا ایسے اعتراضات اور ایسی اہم باتیں خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے برآمد ہو سکتی ہیں۔ "ثم انه دعا بالنار و احرة جميع ما كان الفه "پھر اس نے آگ منگوائی اور کتاب "تناقص القرآن" کا سارا مسودہ نذر آتش کر دیا۔"

قرآنی آیات کا مفہوم غلط سمجھنے کی بنا پر لوگ پہلے بھی غلط فہمیوں کا شکار ہوئے اور آج بھی یہ نوبت پیش آتی ہے ایسی غلط فہمیوں کا حقیقی سبب تو ذاتی بغض و عناد ہے مسلمانوں پر انتہا پسندی جیسے الزامات کا بنیادی سبب بھی مسلمانوں کا قرآنِ کریم کے کلام الٰہی ہونے پر غیر متزلزل ایمان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر مشروط اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت ہے۔ اس لئے گلیڈسٹون (برطانیہ کا وزیر اعظم) نے کہا تھا "جب تک قرآن مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں پر حکمران رہے گا اس وقت تک ہم اسلامی مشرق کو اپنے قبضے میں نہیں لا سکتے اور اگر بفرض محال لے بھی آئیں تو تا دیر تسلط کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔"

(تلاش از ممتاز مفتی ص: ۲۳۱)

بغض وعناد کے علاوہ بعض تراجم اور ضعیف وموضوع روایات بھی غلط فہمیوں کا سبب بنتی ہیں۔ مریض دل کے مالک اہل علم تعصب کی عینک اتار کر جب اس کا مطالعہ کریں تو یقیناً عرب کے منکرین کی طرح کہہ اٹھیں گے کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ Contradiction کے حوالہ سے امام راغب کی یہ تحقیق بھی قابل غور ہے جو اس سلسلہ میں اصولی بحث کا درجہ رکھتی ہے۔

اکثر اوقات جن لوگوں کو علوم عقلیہ اور علوم حقیقیہ میں مہارت حاصل نہیں انہیں کئی الفاظ بظاہر متنافی نظر آتے ہیں۔ اور بعض اوقات ملحد قرآن کے الفاظ کے ذریعہ کئی سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور انہیں شک میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ مثلاً وہ کہیں گے یہ عقلاً صریح ہے کہ ایک ہی خبر میں جب نفی اور اثبات اکٹھے ہو جائیں تو ان میں سے لازماً ایک سچ ہوگا اور دوسرا جھوٹ۔ جیسے یہ کہا جائے زید خارج (زید باہر ہے) زید لیس بخارج (زید باہر نہیں ہے)

اور ہم نے قرآن میں بہت سی خبریں ایک دوسرے کے منافی دیکھی ہیں تو لازماً ان میں سے ایک ہی صحیح ہوگی اور دوسری غلط جیسے:

ا۔ واقبل بعضہم علی بعض یتساء لون اور فلا انساب بینہم یومئذ ولا یتساء لون

۲۔ واللہ ربنا ما کنا مشرکین اور ولا یکتمون اللہ حدیثا

۳۔ ھذا یوم لا ینطقون اور و اقبل بعضھم علی بعض یتلاومون

۴۔ ونحشرھم یوم القیمۃ علی وجوھھم عمیا و بکما و صما اور و رای المجرمون النار

۵۔ دعوا ھنالک ثبورا اور سمعوا لہا تغیظا و زفیرا

۶۔ فو ربک لنسالنھم اجمعین عما کانوا یعملون اور فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان

۷۔ وان منکم الا واردھا اور ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولئک عنہا مبعدون

اس کے جواب سے پہلے ضروری ہے کہ ہم ایک مقدمہ بیان کریں جس سے ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات کے بارے میں شبہ دور ہو اور یہ جو سوالات بیان ہوئے ہیں اور اس طرح کے دوسرے سوالات، ان کو حل کرنے کے لئے اس مقدمہ کا ذہن میں رکھنا کافی ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

دونوں خبریں جن میں ایک نفی ہے اور دوسری اثبات وہ اسی وقت

متناقض ہوں گی۔ جب وہ خبر اور جسکے بارہ میں خبر دی جا رہی ہے، اور ان
دونوں کے متعلقات، زمانہ اور مکان، اور حقیقت و مجاز میں یکساں ہوں گی
اگر وہ خبریں ان میں کسی چیز میں مختلف ہوں تو وہ متناقض نہیں ہوں گی جیسے کہا
جائے زید مالك (زید مالک ہے) زید لیس بمالك (زید مالک نہیں
ہے) اور تیری مراد ایک سے ''ایک زید'' اور دوسرے سے ''کوئی اور زید''
ہو۔ یا ایک مالک مِلك سے بنا ہوا مالک ہو اور دوسرا مَلك سے بنا ہوا مالک
ہو جس کا معنی ہے مضبوط باندھنا۔ یا ان خبروں میں سے ایک سے
مراد اصبہان میں اور دوسرے سے بغداد میں مراد ہو۔ یا ایک سے مراد
ایک وقت میں ہو اور دوسری سے مراد پہلے وقت کے علاوہ کسی وقت میں ہو تو
ان سب میں پھر کوئی تناقض نہیں ہوگا کیوں کہ دونوں خبروں میں سے ایک
سے جو مراد ہے دوسری میں اس سے علاوہ مراد ہے۔ اور اسی طرح ہر وہ شے
ہے جس کے دو متضاد وصف بیان کئے جائیں مگر دو مختلف جہتوں سے جیسے
چکی اور چرخی اپنے مرکز پر گھوم رہی ہو اس کے بارہ میں اگر کوئی کہے کہ وہ
چل رہی ہے یا جگہ بدل رہی ہے۔ اس لحاظ سے کہ اس کے کچھ اجزاء
دوسرے اجزاء کی نسبت جگہ بدل رہے ہیں۔ اور دوسرا کہے کہ وہ نہیں چل
رہی ہے یا جگہ نہیں بدل رہی، اس کے کلی اجزاء کا لحاظ کرتے ہوئے ہوئے

اور یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ اپنے مرکز سے نہیں ہٹ رہی ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح اگر کسی کے لئے یہ کہا جائے کہ اس کی شاخ نرم ہے اور مراد سخاوت ہو۔ اور دوسری طرف یہ کہا جائے کہ اس کی شاخ نرم نہیں اور مراد بہادری ہواور اسی طرح جب دو حالتوں یا دو شخصوں کی طرف اضافت سے حال مختلف ہو جائیں جیسے کہا جائے کہ مال اچھی چیز ہے (ایک حالت کا لحاظ کرتے ہوئے یا کسی شخص کا لحاظ کرتے ہوئے) اور دوسرا کسی دوسری حالت یا دوسرے فرد کے لحاظ سے کہے کہ مال اچھی چیز نہیں۔ اور یہی حکم ہر اس شے کا ہے جس کا ایک مبداء اور ایک غایت ہو جیسے ایمان، شرک اور توکل۔ کیونکہ ایمان کا مبداء شہادتین کا اعلان ہے جیسے کہ حضور ﷺ نے اس لونڈی کے بارہ میں فرمایا کہ وہ مومن ہے جس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تھا چونکہ اس کا کمال وہ ہے جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم جب اسکی غایت یہ ہے کہ تو یہ کہنا صحیح ہے، زانی زنا کرے تو مومن نہیں، چور چوری کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا۔ یہ بھی درست ہے کہ زانی مومن نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح ہر وہ شے جو دو چیزوں سے مرکب ہو اسکا مبداء وغایت ہیں جیسے اوپر گزرا، اس لحاظ سے چار جہتوں سے چار خبریں درست ہیں۔

۱۔ سکنجبین میٹھی ہے۔ ۲۔ترش ہے۔ ۳۔میٹھی ترش ہے

۴۔نہ میٹھی ہے نہ ترش

جب آپ اس مقدمہ کو اچھی طرح سمجھ لیں گے تو ان آیات کا جواب سہل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ سب کی سب اوپر مخالفت کے بیان کئے ہوئے اسباب میں کسی ایک کی طرف لوٹتی ہیں۔

﴿مقدمہ جامع التفاسیر (ابی القاسم الراغب الاصفہانی) فصل فی بیان الالفاظ التی تجیء متنافیة فی الظاهر ص:۶۸ تا ۷۱﴾

علاوہ ازیں اس موضوع پر شیخ محمد الامین الشنقیطی کی کتاب ''دفع ایہام الاضطراب عن آی الکتاب'' بہت اہم ہے۔

انٹرنیٹ (http://answering-islam.com) پر difficilties in the Quran کے نام سے قرآن پر کیے جانے والے اعتراضات کے مختصر جوابات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

اعتراض.

Moses and the Injil ?

Jesus is born more than 1000 years

after moses,but in 7:157 Allah speaks to

Moses about what is written in the Injil ?

حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ بعد پیدا ہوئے لیکن سورۃ اعراف (آیت ۱۵۷) میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ انجیل میں ایسا درج ہے۔

جواب

حضرت موسیٰ کی دعا کا جواب پہلی آیت (یعنی ۱۵۶) میں ختم ہو گیا تھا۔ اب موقع کی مناسبت سے فوراً بنی اسرائیل کو حضرت محمد ﷺ کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے۔ تقریر کا مدعا یہ ہے کہ تم پر خدا کی رحمت نازل ہونے کیلئے جو شرائط موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں عائد کی گئی تھیں وہی آج تک قائم ہیں اور دراصل انہی شرائط کا تقاضا ہے کہ تم اس پیغمبر پر ایمان لاؤ۔ (تفہیم القرآن جلد ۲، ص ۸۴)

اعتراض

Can slander of chast women be forgiven ?

yes[24:5] ,No [24:23]

کیا پاکدامن عورتوں پر تہمت کو معاف کیا جا سکتا ہے؟

ہاں (سورۃ النور آیت ۵)، نہیں (سورۃ النور آیت ۲۳)

جواب

آیت ۵ میں توبہ کا ذکر ہے

الاّ الذین تابوا من بعد ذٰلک و اصلحوا فان اللہ غفور رحیم جبکہ آیت ۲۳ میں توبہ نہ کرنے کا ذکر ہے۔ علامہ مراغی آیت ۵ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"ای الاّ الذین رجعوا عمّا قالوا وندموا علیٰ ما تکلموا من بعد ما اجترحوا ذٰلک الاثم و اصلحوا حالھم"

(المراغی جلد ۱۸، ص ۷۳)

"اگر کسی نے واقعاً کسی پاکدامن عورت یا مرد کی عزت و وقار کو تہمت کے ذریعے داغدار کیا ہے تو اپنی توبہ کی قبولیت کیلئے اسے چاہیے کہ ان تمام افراد کے سامنے اپنی باتوں کی تکذیب کرے۔ جنہوں نے یہ تہمت سنی ہے دوسرے لفظوں میں انکی حیثیت و عزت بحال کرے۔ لفظ "تابوا" کے بعد "واصلحوا" کا آنا اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ایسے افراد کو اپنے گناہ سے توبہ کر کے اس خرابی کی اصلاح بھی کرنی چاہیئے جس کے وہ مرتکب ہوئے ہیں" (نمونہ جلد ۱۴، ص: ۳۲۲)

اعتراض

How do we receive the record on

judgment day?

on judgment day the last people are

given the record (of their bad deeds):

behind their back

(84:10),or in their left hand (69:25)

قیامت کے دن برے لوگوں کو اعمال نامہ انکی پشت سے دیا جائے گا

سورۃ انشقاق (آیت:۱۰)

بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیئے جائیں گے۔سورۃ حاقہ (آیت ۲۵)

جواب

دونوں آیتوں میں کوئی تناقص نہیں کیونکہ بائیں ہاتھ میں پیچھے کی طرف سے نامۂ اعمال پکڑائے جائیں گے۔علامہ قاسمی لکھتے ہیں:

اعطی کتاب عمله بشماله من وراء ظهره (جلد ۷،ص:۲۹۱)

پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:"لوگوں کے روبرو وہ بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال لینے سے شرمائیں گے اور اپنا ہاتھ پیچھے کرلیں گے لیکن فرشتے کب

چھوڑنے والے ہیں۔ وہ وہیں ان کے بائیں ہاتھوں میں ان کی سیاہ
کاریوں کے دفتر پکڑا دیں گے۔ (جلد ۵، ص: ۵۲۴)

علامہ مراغی لکھتے ہیں: "فیؤتون کتبہم بشمائلہم من وراء
ظہورہم و مد ایسار الی الکتاب دلیل الکراھۃ، و اظہر فی
الدلالۃ علی الکراھۃ و النفور ان یستدبرہ و یعرض عنہ فیکون
من وراء ظہرہ (جلد ۳۰، ص: ۹۱)

اعتراض

Who brings the revelation from Allah to Muhammad ? The Angel Gabriel (2:97) or the Holy spirit (16:102)

وحی کون لاتا ہے۔
جبرائیل علیہ السلام بقرہ (آیت: ۹۷)
روح القدس نحل (آیت: ۱۰۲)

جواب

قرآن کریم نے حضرت جبرائیل کو روح القدس اور الروح الامین بھی
فرمایا ہے (سورۃ نحل ۱۰۲، الشعراء ۱۹۳)۔ بعض مقامات پر جبرائیل کیلئے روح

کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ (سورۃ القدر:۴)

حسن بصری فرماتے ہیں:

القدس ھو اللہ و روحہ جبرائیل و الاضافة للتشریف

(تفسیر القاسمی جلد اول ص:۳۲۵)

احمد مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

"و روح القدس: ای الروح المقدس المطھر، و ھو جبرئیل علیہ السلام الذی ینزل علی الانبیاء و یقدس نفوسھم و یزکیھا یطلق علیہ الروح الامین

(المراغی جلد اول ص:۱۶۴)

دیگر مفسرین کی کثیر تعداد بھی متفق ہے کہ روح سے مراد جبرائیل ہے۔ علامہ ماوردی لکھتے ہیں کہ ظاہر قول یہ ہے انہ جبرئیل علیہ السلام و ھذا قول الحسن و قتادہ والربیع والسدی والضحاک

(النکت والعیون ۱/۱۵۶)۔

محمد الامین اضواء البیان میں لکھتے ہیں: ھو جبرئیل علی الاصح

(جلد اول، ص:۶۹)

ابوبکر جابر الجزائری (ایسر التفاسیر جلد اول، ص:۸۱)،

سمین حلبی (عمدۃ الحفاظ جلد ۲، ص:۱۳۶)

ابن عاشور (التحریر والتنویر جلد اول، ص:۵۹۵)

ابوالحسن علی بن احمد (الوسیط جلد اول، ص:۱۷۱) نے روح القدس سے مراد جبرائیل ہی لیا ہے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں: و الدلیل علیٰ ان روح القدس ھو جبرئیل کما نص علیه ابن مسعود فی تفسیر ھذہ الایة و تابعه علیٰ ذلك [ابن عباس]، و محمد بن کعب القرظی، و اسماعیل بن ابی خالد، السدی، والربیع بن انس و عطیة العوفی و قتادہ...

(جلد اول ص:۳۲۱)

ابن عطیه المحرر الوجیز میں لکھتے ہیں: و ھذا اصح الاقوال

(جلد اول ص:۳۸۶)

اعتراض

Can Angels disobey?

No, angel is arrogant, they all obey Allah(16:49-50) .but " And behold , he said to the angles: ' Bow down to Adam' and

they lowed down except Iblis. He refused

and was haughty" [2:34]

کیا فرشتے نافرمانی کر سکتے ہیں؟

فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتے وہ گستاخ نہیں وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں نحل (آیت ۵۰-۴۹)، لیکن خدا نے فرشتوں کو حکم دیا آدم کو سجدہ کرو۔

ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا بقرہ (آیت:۳۴)

جواب

فرشتے اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے لیکن ابلیس فرشتہ نہ تھا جنوں میں سے تھا امام ماوردی لکھتے ہیں: انہ لیس من الملائکۃ، و انما ھو ابو الجن کما ان آدم ابو الانس و ھذا قول الحسن و قتادہ و ابن زید، ولا یمتنع جواز الاستثناء من غیر جنسہ کما قال تعالی

ما لھم بہ من علم الا اتباع الظن (النساء، ۱۵۷)

و ھذا استثناء منقطع (النکت والعیون جلد اول، ص:۱۰۲)

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

والراجح لدی هو القول الاول لصریح آیة (کان من الجن) ولان ابلیس قد عصی امر ربه والملائکة لا یعصون الله امرهم (التفسیر المنیر جلداول ص:۱۳۵)

یعنی راجح قول یہی ہے کہ ابلیس جنوں سے تھا اور آیت کان من الجن اس بارہ میں صریح ہے۔

یہ بھی ہے کہ ابلیس نے رب کی نافرمانی کی لیکن فرشتے معصیت سے پاک ہیں۔

امام ابوعبداللہ محمد بن علی البلنسی نے ابلیس کے فرشتوں کی جنس سے نہ ہونے کی متعدد وجوہ ذکر کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

۱- ان ابلیس له ذریة---- و الملائکة لا ذریة لهم

۲-اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جن آگ سے ہیں جبکہ فرشتوں کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح مسلم میں ہے کہ وہ نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔

۳-فرشتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی، لا یعصون الله ما امرهم-

۴-ملائکہ رسل ہیں (جاعل الملائکة رسلاً) اور رسول کفر نہیں کر

سکتا ان الملائکۃ رسل اللہ لقولہ ---والرسول لا یکون کافرا

(تفسیر مبھمات القرآن جلد اول، ص:۱۳۱)

امام بیضاوی لکھتے ہیں:

او الجن ایضاً کانوا مامورین مع الملئکۃ لکنہ استغنی بذکر الملئکۃ عن ذکرھم فانہ اذا علم ان الاکابر مامورون بالتذلل لاحد والتوسل بہ علم ان الاصاغر ایضاً مامورون بہ والضمیر فی فسجدوا راجع الی القبیلتین (جلد اول ص:۲۹۴-۲۹۵)

یا جن بھی فرشتوں کے ساتھ سجدہ کے حکم میں شامل تھے لیکن فرشتوں کے ذکر کے بعد جنات کے ذکر کی ضرورت اس وجہ سے باقی نہیں رہی کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ بڑوں کو کسی کی تعظیم وتکریم کا حکم ہوا ہے تو اس سے یہ بات خود بخود واضح ہوگئی کہ چھوٹے بھی اس حکم میں شامل ہیں اس صورت میں فسجدوا کی ضمیر دونوں گروہوں کی طرف لوٹے گی۔

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر جب ہے کہ اسے علیحدہ سجدہ کا حکم ملا تھا تو پھر دیگر سوالات کس لئے۔

اعتراض

The Quran is pure Arabic [16:103] but there are numerous foreign, non Arabic words in it ?

قرآن خالص عربی زبان میں نازل ہوالیکن اس میں دوسری زبانوں کے کئی الفاظ ہیں۔

جواب

قرآن میں کوئی ایسالفظ نہیں جوعربوں کیلیئے مانوس نہ ہواگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ ضرور اس کی فصاحت و بلاغت کو چیلنج کرتے۔ امام سیوطیؒ لکھتے ہیں: زیادہ تر آئمہ جن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابن جریر، ابو عبید، قاضی ابوبکر اور ابن فارس بھی شریک ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ قرآن میں عربی زبان سے باہر کا کوئی لفظ نہیں واقع ہوا ہے اور وہ اسکی دلیل قولہ تعالیٰ: قرآناً عربیاً اور ولو جعلناہ قرآناً اعجمیاً لقالوا لولا فصلت آیاتہ أاعجمی و عربی کو قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس شخص کو انتہائی برا کہا ہے جب قرآن میں عجمی زبانوں کے الفاظ آنے کا قائل ہو۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

ہر زبان میں ارتقاء ہوتا رہتا ہے اہل عرب نے اپنے سفروں میں اگر غیر عربی کے کسی لفظ کو اپنے علاقہ میں رائج کیا تو اسے معرب بنا کر کیا اس حثیت سے وہ لفظ پھر عربی ہی سمجھا جانے لگا۔ اردو اور انگریزی زبان اسکی بہترین مثالیں ہیں۔ ابو عبید اس سلسلہ میں لکھتے ہیں: یہ بات تو نا قابل انکار ہے کہ بہت سے الفاظ عربی لغت میں رومی، فارسی، عبرانی، وغیرہ زبانوں سے لئے گئے ہیں لیکن یہ الفاظ عربی میں ایسے معروف و مشہور ہو گئے کہ خود عربی زبان کے الفاظ سمجھے جانے لگے۔ اصل میں وہ الفاظ غیر عربی تھے اگر چہ بعد میں وہ عربی بن گئے اور جب وہ الفاظ عربی زبان کی حیثیت میں آ گئے تو قرآن بھی انہیں الفاظ میں نازل ہوا۔ (مقدمہ اردو ترجمہ المنجد ص:۱۶)

اعتراض

The infinite loop problem

Sura 26:192,195,196 "It (the Quran) is indeed a revelation from the Lard of the worlds...in clear Arabic speech and indeed It (the Quran) is in the writings of the earlier (prophets)." Now the earlier writings

are the Torah and the Injil for example, written in Hebrew and greek. How can an Arabic Quran be contained in books of other languages ? Further more, it would have to contain this very passage of the Quran since the Quran is propely contained in them.

Hence these earlier writings have to be contained in yet other earlier writings and we are in an imfinite loop, which is absurd.

سورۃ شعراء (آیت ۱۹۲، ۱۹۵، ۱۹۶) کے مطابق قرآن مجید اللہ کی طرف سے نازل ہوا اور پہلی آسمانی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ پہلی آسمانی کتابیں تورات، انجیل عبرانی و یونانی زبانوں میں تھیں لہٰذا قرآن جو عربی زبان میں ہے وہ ان کتابوں میں کیسے ہوسکتا ہے۔ مزید برآں اگر قرآن پہلی کتابوں میں پایا جا سکتا ہے تو وہ کتابیں ان سے پہلی کتابوں میں ضرور پائی جانی چاہیے۔ اس طرح ایک لامحدود پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔ جو کہ

بعید از قیاس ہے۔

جواب

اگرچہ انبیائے کرام علیہم السلام مختلف زبانوں میں مختلف قوموں کی طرف مبعوث ہوئے لیکن ان کی دعوت کے بنیادی عناصر ایک ہی تھے۔ کیونکہ وہ سب رب العالمین کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ ان مباحث کو سابقہ امم نے خلط ملط کر دیا لیکن قرآن نے انبیائے سابقین کی بنیادی دعوت و پیغام کو محفوظ رکھا قرآنی قصص میں اسکی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

سعید حوی لکھتے ہیں:

و ان کثیرا من معانی القرآن موجود فیہا، مما یدل علی وحدۃ الوحی

(اساس التفسیر ص:۳۹۵۵)

جامعہ کردستان کے شعبہ ادب و فارسی کے استاد ڈاکٹر مصطفیٰ خرم دل لکھتے ہیں:

ان ما فی ھذا القرآن من العقائد و الفضائل و صفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فی کتب الانبیاء السابقین (المطفف ص:۷۰۳)

علامہ قاسمی لکھتے ہیں:

فیجدون مصداقه فی زبرھم التی یدرسونہا کما قال تعالیٰ

(و اذا یتلی علیہم قالوا آمنا بہ انہ الحق من ربنا انا کنا قبلہ

مسلمین) .... (تفسیر القاسمی جلد۵، ۳۸۵)

پس مقصود مفاہیم و معانی کا سمجھانا ہے جن عقائد، اخلاق اور شمائل محمدی ﷺ کا ذکر قرآن نے کیا پچھلی کتب میں انہیں زبانوں میں یہ حقائق موجود تھے۔

اعتراض

An old woman and Gad's character ?

About the story of Lot: So we deliver him and his familu all except on old woman who lingered behind (Sura 26:170-171)

Aand again: But we saved him and his family, except his wife she was of those who lagged behind [7:83].

Either this is a contradiction or if indeed Lot's wife is derogatorily called an old

woman then this does not show mich

respect for her as a wife of a prophet.

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی۔

ہم نے لبط اور اسکے خاندان کو بچایا سوائے بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں سے تھی سورۃ شعراء (آیت ۱۷۰-۱۷۱)، سورہ اعراف (آیت ۸۳)- اگر بیوی خاندان کا حصہ ہے تو اسکو کیوں نہ بچایا گیا دوسرے یہ کہ نبی کی بیوی کا بڑھیا کہہ کر ذکر کرنا اسکی مذمت کے مترادف ہے جو پیغمبر کی بیوی کے ادب کے خلاف ہے۔

جواب

قرآن کریم نے ایمان کو نجات کی شرط قرار دیا ہے۔ لوط علیہ السلام کی بیوی ایمان نہ لائی تھی اس لئے نجات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عجوزاً کہہ کر اسکی عمر کا ذکر کیا گیا ہے اور اس میں اس کے عمل کی شناعت کا اظہار ہے کہ وہ کم عمر نہیں تھی بلکہ ایک لمبی عمر، پیغمبر کی صحبت میں گزارنے کے باوجود اور اسباب ھدایت کے میسر ہونے کے باوصف ایمان نہ لا کر ہلاکت کی مستوجب ہوئی۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے متعلق انجیل میں بھی یہی ذکر ہے کہ

اسے بدعقیدگی کی وجہ سے سزا ملی۔" اسکی بیوی بے اعتقادی کے باعث نمک کا ستون بن چکی تھی (پیدائش ۱۹: ۱۷، ۲۶) (لوقا ۱۷: ۲۹)۔

معترض عجوزاً کی وجہ سے سیخ پا ہوا کہ ایک نبی کی بیوی کے شایان شان لفظ نہیں لیکن بائبل میں خود حضرت لوط علیہ السلام کا جو کردار پیش کیا گیا ہے وہ انبیاء کے شایان شان ہے؟۔۔۔ملاحظہ فرمایئے (استثناء ۲: ۹، ۱۹ پیدائش ۱۹: ۳۰-۳۸)

اعتراض

Quick or slow creation:

Allah creats the heavens and the earth in six days(7:54)and many muslims want to be modern and scientific and make that six eons, but then again He creats instanteouly (2:117) " Be" ! an it is.

تخلیق کائنات فوراً یا تدریجاً خدا نے آسمان و زمین چھ دنوں میں بنائے (سورہ اعراف آیت ۵۴) بہت سے مسلمان ماڈرن اور سائنسی بننے کے شوق میں کہتے ہیں چھ دنوں سے چھ ادوار مراد ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جب پیدا

کرنا چاہتا ہے تو وہ فرماتا ہے ہوجا۔ اور وہ ہوجاتا ہے۔ (بقرہ آیت ۱۱۷)

جواب

یہ تعبیر قرآن کی بہت سی آیات میں آئی ہے ان میں سورۃ آل عمران ۴۷-۵۹ سورۃ انعام: ۷۳ سورۃ نحل: ۴۰ سورۃ مریم: ۳۵- اور سورۃ یٰسین ۸۲ وغیرہ شامل ہیں۔ یہ جملہ خدا کے ارادۂ تکوینی اور امر خلقت میں اس کی حاکمیت کے متعلق گفتگو کرتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ " کن فیکون" سے مراد یہ نہیں کہ خدا کوئی لفظ فرمان "ہوجا" کی صورت میں صادر فرماتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جس وقت وہ کسی چیز کو وجود عطا فرمانے کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ بڑی ہو یا چھوٹی ہو پیچیدہ ہو یا سادہ ہو ایک ایٹم کے برابر ہو یا تمام آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہو۔ کسی علت کے احتیاج کے بغیر وہ ارادہ خود بخود عملی جامہ پہن لیتا ہے۔ یہاں تاخیر صرف رتبہ کے لحاظ سے ہے (جیسا کہ فلسفہ میں ثابت ہو چکا ہے۔ کہ معلول اپنی علت سے رتبے کے لحاظ سے تو متاخر ہے لیکن زمانے کے لحاظ سے نہیں) یہ اشتباہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے۔ کہ ارادہ الٰہی آنی وجود ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جیسا وہ ارادہ کرے موجود اسی طرح وجود پاتا ہے۔ مثلاً وہ ارادہ کرے کہ آسمان اور زمین چھ ادوار میں معرضِ وجود میں آئیں تو مسلماً بغیر کسی کمی و بیشی کے وہ اسی مدت

میں وجود پذیر ہونگے۔ اور اگر ارادہ کرے کہ ایک لحظے میں موجود ہوں تو
سب کے سب ایک لحظے میں وجود پائینگے یہ وہ جانتا ہے کہ کیسا ارادہ کرے
اور کیا مصلحت ہے۔ یا مثلاً اگر وہ ارادہ کرے کہ بچہ شکم مادر میں جنین کی شکل
میں نو ماہ اور نو دن میں اپنی تکمیل کے مرحلے طے کرے تو لحظے بھر کی کمی بیشی
کے بغیر یونہی انجام پزیر ہوگا۔ اور اگر ارادہ کرے کہ تکامل کا یہ دور ایک سیکنڈ
کے ہزارویں حصے سے بھی کم مقدار میں پورا کرے تو یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ
خلقت کے لئے اس کا ارادہ علت تامہ ہے۔ اور علت تامہ و معلول کے
درمیان کسی قسم کا فاصلہ نہیں ہوسکتا . (تفسیر نمونہ جلد اص: ۳۱۲)

علامہ غلام رسول سعیدی "کن فیکون" پر اعتراضات کا جواب دیتے
ہوئے تحریر کرتے ہیں۔ "وہ جس چیز کو جب اور جتنے وقت میں پیدا کرنا
چاہے وہ اس وقت میں علی الفور پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض چیزوں کو وہ مادہ سے
پیدا کرتا ہے اور بعض چیزوں کو بغیر مادہ کے پیدا کرتا ہے۔ جیسے نفس مادہ کو، یا
روح کو، لیکن وہ اپنی تخلیق میں مادہ کا محتاج ہے نہ وقت کا، نہ منصوبہ بندی اور
تجربہ کا محتاج ہے وہ جس چیز کو جب چاہتا ہے۔ جیسے چاہتا ہے۔ جتنے عرصہ
میں چاہتا ہے پیدا کرسکتا ہے۔ یہی "کن فیکون" کا مفہوم ہے۔
(سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، ۱/۵۲۸ فرید بک سٹال لاہور ۱۹۹۷)

مفسرین کی ان تصریحات سے پتہ چلا کہ کن فیکون کا مطلب یہ نہیں کہ فوراً ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد ہے:

(ا)-اللہ کا ارادہ پورا ہو کر رہتا ہے۔

(ب)-اس کو اسباب کی احتیاج نہیں، اسباب کے بغیر بھی چاہے گا تو فوراً ہو جائے گا۔

علامہ احمد سعید کاظمی لکھتے ہیں:

"اگر یہاں یہ اشکال وارد کیا جائے کہ اجسام اور مادیات کی تکوین بسرعت وسہولت نہیں ہوتی -زمین، آسمان کی پیدائش چھ دن میں ہوئی- انسانی تخلیق مٹی کے ست سے شروع ہو کر ثمّ

اَنشَانَاہُ خلقاً آخر تک نطفہ، علقہ، مضغہ، عظام، لحم، کے مراحل سے گزرتی ہوئی نو، دس ماہ کی مدت میں مکمل ہوتی ہے۔تمام حیوانات ،نباتات کا یہی حال ہے، کہ عرصہ میں یہ سب اشیاء معرض وجود میں آتی ہیں ۔ تدریج وتاخیر بظاہر کن فیکون کے خلاف ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ جہاں مشیت الٰہیہ کا تعلق تدریج وتاخیر سے ہو وہاں تدریج وتاخیر ہی کن فیکون کے معنی ہوں گے۔جس درجہ اور جس لحہ میں کسی چیز کے وجود میں آنے سے مشیت الہیہ کا تعلق ہو۔اگر اس سے ذرا پہلے یا بعد وہ چیز وجود میں

آئے تو مشیت الٰہیہ کے خلاف ہو گا اور یقیناً یہ "کن فیکون کے منافی قرار پائے گا۔ لہٰذا اسے کن فیکون کے خلاف سمجھنا درست نہیں ہو سکتا"

(کاظمی ؒ احمد سعید، التبیان، کاظمی پبلی کیشنز ملتان، ۱۹۹۳ جلد اول: ص ۳۰۰، ۳۰۱)

اعتراض

There are conflicting views on who angel of death takes the souls at death: The (32:11). The angles (Plural) (47:27) but also it is Allah that takes the souls (of men) at death (39:42).

بوقت وفات روح کون قبض کرتا ہے؟

ملک الموت (سورۃ سجدہ آیت ۱۱) یا بہت سے فرشتے (سورۃ محمد آیت ۲۷) لیکن یہ بھی ہے کہ اللہ روح قبض کرتا ہے۔

جواب:

امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں: ففوض قبض الارواح الی ملک الموت و ھو رئیس و تحتہ اتباع و خدم فاضیف التوفی فی ھذہ الاٰیتہ الی اللہ تعالٰی بالاضافۃ الحقیقہ

و فی الایتہ الثانیہ الی ملک الموت لانہ ھو الرئیس فی ھذا العمل و الی سائرا الملئکۃ لانہم الاتباع لملک الموت واللہ تعالی اعلم (مفاتیح الغیب جلد ۶ ،ص: ۲۸۵، اللباب فی علوم الکتاب، ابو حفص عمر بن علی (متوفی ۸۸۰) جلد ۱۶، ص: ۵۲۱-۵۲۰)

پس اللہ تعالی نے ارواح کا قبض کرنا ملک الموت کے سپرد کیا ہے اور وہ انچارج ہیں۔ ان کے ماتحت بہت سے تابع اور خادم ہیں۔ پس اللہ تعالی نے اس آیت (اللہ یتوفی الانفس) میں قبض ارواح کی نسبت اپنی طرف کی ہے کیونکہ حقیقتاً جان وہی قبض کرتا ہے اور دوسری آیت (ملک الموت الذی و کل بکم) میں قبض روح کی نسبت ملک الموت کی طرف کی گئی ہے کیونکہ اس کاروائی کے انچارج وہی ہیں اور تیسری آیت (توفتہ رسلنا) میں سب فرشتوں کی طرف بھی قبض ارواح کی نسبت کی گئی ہے کیونکہ وہ ملک الموت کے تابع ہیں۔

اعتراض

Angel have 2,3,or 4 pairs of wings [35:1]

But Gabriel had 600 wings [Sahih Bukhari volume 4,Book 54 Number 455]

فرشتوں کے کتنے پر ہیں؟ دو، تین یا چار؟ سورۃ فاطر: آیت: ۱ لیکن صحیح بخاری میں ہے کہ جبرائیل کے چھ سو پر ہیں۔

جواب

سورۃ فاطر کی اسی آیت میں ہے یزید فی الخلق ما یشآء (وہ خلق میں جو چاہے اضافہ کر دیتا ہے۔) اس لئے جبرائیل کے اگر چھ سو پر ہیں تو اس آیت کے خلاف نہیں علامہ جمال الدین القاسمی اسی آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ یزید فی خلق الا جنحۃ وغیرہ ما یشاء مما تقتضیہ حکمتہ. (تفسیر القاسمی جلد ۶، ص: ۲۷)

"یہ چار تک کا ذکر بھی تحدید کے مفہوم میں نہیں ہے مقصود یہاں صرف ان کے مراتب ومنازل کے تفاوت کی طرف اشارہ کرنا ہے اس وجہ سے اگر اللہ کے پاس ایسے فرشتے بھی ہوں جنکی قوت پرواز اس سے زیادہ ہو تو اس آیت سے اسکی نفی نہیں ہوتی" (تدبر قرآن جلد ۶، ص: ۳۵۴)

"یہ بات واضح ہے کہ اس قسم کی تعبیرات کو مادی جسمانی پہلوؤں پر حمل نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ ان کی معنوی عظمت اور جہات قدرت کو بیان کرنے والی تعبیرات ہیں" (تفسیر نمونہ جلد ۱۸ اص: ۱۷۷)

اعتراض

Six or eight days of creation?

Sura 7:54, 10:3,11:7 and 25:59 clearly state that God created the heavens and the earth in six days. But in 41:9-12 the detailed dexription of creation procedure adds up to eight days?

تخلیق کائنات چھ دنوں میں یا آٹھ دنوں میں؟

سورۃ اعراف (آیت ۵۴)،سورۃ یونس (آیت ۳،سورۃ ہود(آیت ۷) سورۃ فرقان (آیت ۵۹) میں ہے کہ تخلیق چھ دنوں میں ہوئی جبکہ سورۃ حم سجدہ (آیت ۹-۱۲) میں ہے کہ آٹھ دنوں میں تخلیق ہوئی؟

جواب

منطوق مفہوم پر مقدم ہوتا ہے یعنی جب کسی نے خود کوئی بات کھول کر بیان کر دی ہو تو اس کی کسی عبارت سے اسکے خلاف مفہوم نکالا جائے تو تناقض نہ ہوگا اسی سورۃ حم سجدہ کی آیات ۹-۱۲ کے بعد واضح کر دیا جاتا کہ کل آٹھ دن ہوئے تو تناقض ہوتا حالانکہ یہاں بھی دیگر مقامات (سورۃ

اعراف آیت ۵۴، یونس آیت ۳، ہود آیت ۷، فرقان آیت ۵۹، سجدہ آیت ۴، ق آیت ۳۸، حدید آیت ۴) کی طرح چھ ادوار ہی کا ذکر ہے۔ وہ اس طرح کہ جہاں اربعة ایام کہا گیا ہے وہ چار دنوں کا تتمہ مراد ہے۔ چار دنوں میں پہلے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا پھر پہاڑ گاڑنے اور تقدیر اقوات کے دو دن اس طرح یہ چار دن ہو گئے امام زمخشری فرماتے ہیں کل ذلك فی اربعة ایام

اور دو دنوں میں آسمان بنایا۔ مجموعی طور پر یہ کل چھ دن ہو گئے یہ اس اجمال کی تفصیل ہو گئی جو آسمان و زمین کی خلقت سے متعلق قرآن کے دوسرے مقامات پر ہے۔

اس سورۃ کی آیت ۱۰ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ قاسمی لکھتے ہیں:

ای مستویة بالامتزاج والاعتدال. للطالبین للاقوات و المعایش ای قدرها لهم. او لمن سال عن مبلغ الاجل الذی خلق الله فیه الارض. وجعل فیها الرواسی والبرکة. وتقدیر الاقوات. فحده کما اخبر الله تعالیٰ انه اربعة ایام۔ (جلد ۶، ص: ۱۴۶)

اعتراض

Heavens or Earth ? Wich was created first ?

First earth and then heaven [2;29], heaven and after that earth [79;27-30]

پہلے زمین کی تخلیق ہوئی یا آسمان کی؟

سورۃ بقرہ (آیت ۲۹) میں ہے کہ پہلے زمین کی تخلیق ہوئی اور بعد میں آسمان کی.

جبکہ سورۃ نازعات (آیت ۲۷-۳۰) میں ہے کہ پہلے آسمان کی تخلیق ہوئی۔

جواب

ا-سورۃ نازعات میں زمین کی تخلیق کا ذکر نہیں بلکہ پھیلانے کا ذکر ہے علامہ قاسمی لکھتے ہیں۔ انما یفید تاخر دحوھا لا خلق جرمها------ودحوها بعد خلق السماء والدحو هو البسط (تفسیر قاسمی جلد اول ص:۲۷۱)

بعد ذلک اس جگہ مع ذلک کے معنی میں مذکور ہے جس طرح عتل بعد

ذلک زنیم میں ہے یعنی وہ جفا کار ہونے کے ساتھ بے نسب بھی ہے۔

(ضیاء القرآن جلد پنجم ص: ۴۸۵)

(تفسیر قاسمی جلد اول ص: ۱۷۱، تفہیم القرآن جلد ۴، ص: ۲۴۵)

سورۃ بقرہ اور نازعات کی آیات میں عدم تضاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا مودودی ایک اور حکمت لکھتے ہیں۔" یہ دراصل تضاد نہیں ان مقامات میں سے کسی جگہ بھی مقصود کلام یہ بتانا نہیں کہ کسے پہلے بنایا گیا ہے اور کسے بعد میں" بلکہ جہاں موقع و محل یہ چاہتا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمالات کو نمایاں کیا جائے وہاں آسمانوں کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اور زمین کا بعد میں اور جہاں سلسلہ کلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ لوگوں کو ان نعمتوں کا احساس دلایا جائے جو انہیں زمین پر حاصل ہو رہی ہیں وہاں زمین کے ذکر کو آسمانوں کے ذکر پر مقدم رکھا۔ (تفہیم القرآن جلد ۴، ص: ۲۴۵)

یہ بھی واضح رہے کہ" لفظ ثم "جملہ ثم استوىٰ الى السماء "میں ضروری نہیں کہ تاخیر زمانی کے معنی میں ہو بلکہ ہوسکتا ہے اس کے معنی تاخیر بیان اور حقائق کو ایک دوسرے کے بعد لانا ہو"

(تفسیر نمونہ جلد اول ص: ۱۴۸)

اعتراض

In the process of creation heaven and earth were first apart and are called to come together (41:11) while 21:30 states that they were originally one piece and then ripped apart.

تخلیق کے وقت زمین آسمان اکٹھے تھے یا الگ الگ؟

پہلے دونوں الگ الگ تھے (سورۃ حم سجدہ آیت ۱۱) پہلے دونوں ایک تھے اور بعد میں الگ الگ کیے گئے۔ (انبیاء آیت ۳۵)

جواب:

کائنات کی ابتدائی شکل ایک تودے (Mass) کی سی تھی بعد میں اس کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر کے زمین اور دوسرے اجرام فلکی جدا جدا دنیاؤں کی شکل میں بنائے گئے (تفہیم القرآن جلد ۳، ص: ۱۵۶)

تفسیر نمونہ کے مولفین سورۃ انبیاء کی اس آیت کے بارے میں مختلف توجیہات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پیوستگی سے مراد یہ ہے کہ جہاں کا مادہ ایک ہی طرح کا تھا اسی طرح

سے یہ سب کے سب آپس میں ملے ہوئے تھے لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ مادہ ایک دوسرے سے جدا ہونے لگا اور ان میں نئی نئی ترکیبیں پیدا ہونے لگیں"۔ (تفسیر نمونہ جلد ۱۳، ص:۲۹۶)

اعتراض

How many angels were talking to Mary? When the Quran speaks about the amnounciation of the birth of Jesus to the Virgin Mary sura 3:42,45 speaks about (several) angels while it is only one in sura 19:17-21 .

حضرت مریم کو کتنے فرشتوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کی خبر دی؟ سورۃ آل عمران (آیت ۴۲-۴۵) کے مطابق بہت سے اور سورۃ مریم (آیت ۱۷-۲۱) کے مطابق صرف ایک۔

جواب

جمع جنس کے لئے بھی آتی ہے۔ لہذا دونوں جگہ ایک فرشتہ مراد ہے۔ سید علی نقی لکھتے ہیں: "فرشتوں یعنی فرشتوں کی جنس نہ یہ کہ وہ ندا دینے

والے بہت سے فرشتے تھے"۔ "ای نوعہم کما یقال قتلہ الجن" ترتیب: سید علی نقی النقوی، فصل الخطاب، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور جلد اول، ص: ۵۸۵

سورۃ آل عمران آیت ۳۹ کے تحت علامہ المراغی لکھتے ہیں:

"(فنادته الملائکة) ای ناداہ جبرائیل علیه السلام -- کما یقال خرج فلان علی بغال البرید ، و رکب السفن ، و ھو انما رکب بغلا واحداً و سفینةً واحدةً ، و یقال ممن سمعت ھذا الخبر ؟ فتقول من الناس ، وانت انما سمعته من واحد.

(تفسیر المراغی ص: ۱۴۷ جلد اول)

اعتراض

Where is Allah and his throne?

Allah is nearer than jugular vein (50:16) ,but he is also on the throne whick is upon the water (11:7) and at the same time so far away that it takes between 1000 and 50000 years to reach him (32:5,70:4)

اللہ تعالی اوراس کا عرش کہاں ہے؟

شہ رگ سے نزدیک ہے (سورۃ ق آیت ۱۶)۔

عرش پر ہے جو پانی پر ہے.

(سورۃ حدید آیت: ۵۷، سورۃ ہود آیت: ۷)۔

بہت دور ہے جس تک پہنچنے کا رستہ ایک ہزار برس اور پچاس ہزار برس کا ہے۔ (سورۃ سجدہ آیت: ۵، سورۃ معارج آیت: ۴)۔

جواب

ورید رگ جاں کو کہتے ہیں۔ یہ عربی زبان کا ایک معروف محاورہ ہے جو غایت درجہ قرب کے اظہار کیلئے آتا ہے۔ (تدبر قرآن جلد ۷، ص؛ ۵۴۶) یہاں قرب علمی مراد ہے۔ امام رازی لکھتے ہیں: و ھذا بیان لکمال علمہ (جلد ۲۸، ص: ۱۶۲)

"البتہ یہ سب کی سب تشبیہ ہیں اور خدا کا قرب اس سے بھی برتر و بالاتر ہے اگرچہ محسوسات میں اس سے زیادہ بہتر مثال نہیں مل سکتی"

(نمونہ جلد ۲۲ ص؛ ۲۲۴)

اس مفہوم کو کسی شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے

دوست نزدیک تراز من به من است
ویں عجب ترکہ من از وی دورم
چہ کنم باکہ تواں گفت کہ دوست
در کنار من و من مہجورم

میرا دوست مجھ سے خود مجھ سے نزدیک ہے، لیکن
عجیب بات یہ ہے کہ میں پھر بھی اس سے دور ہوں، میں
کیا کروں اور کس سے کہہ سکتا ہوں کہ دوست تو میرے
پہلو میں ہے لیکن پھر بھی ہجر و فراق میں ہوں۔

(تفسیر نمونہ جلد ۲۲، ص ۲۳۰)

سورۃ ہود میں جو ہے کہ اسکا عرش پانی پر تھا اسکا مفہوم قطعاً وہ نہیں جو
معترض نے سمجھا۔ "عرش خدا کی حکومت کی تعبیر ہے مطلب یہ ہے کہ اس کرہ
ارض کی خشکی نمودار ہونے سے پہلے یہ سارا کرہ مائی تھا اور اللہ کی حکومت اس
پر تھی پھر پانی سے خشکی نمودار ہوئی اور زندگی کی مختلف انواع ظہور میں آئیں
اور درجہ بدرجہ یہ پورا عالم ہستی آباد ہوا یہی بات تورات میں بھی بیان ہوئی
ہے اگرچہ اس کے مترجموں نے مطلب خلط کر دیا کتاب پیدائش کی پہلی ہی
آیت میں یہ الفاظ ہیں "اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا اور خدا کی روح پانی کی سطح

پر جنبش کرتی تھی" (تدبر قرآن جلد۴،ص:۱۰۹)۔علامہ قاسمی نے بھی یہی مفہوم لکھا ای کان ملکه و سلطانه علی السماء

(تفسیر قاسمی جلد۶،ص:۱۴۶)۔

سورۃ السجدہ میں امور کے پیش کیے جانے کا ذکر ہے اور سورۃ معارج میں ملائکہ اور جبرائیل کی پیشی کا ذکر ہے اس طرح آیات میں تعارض نہ رہا۔
(تدبر قرآن جلد۶،ص:۱۵۹،جلد۵ص:۲۶۶،جلد۸،ص:۵۶۶)

یہ بھی واضح رہے کہ یہ آیت متشابہات سے ہے۔"متشابہات سے مراد وہ آیتیں ہیں جن میں ہمارے مشاہدات ومعلومات کے دسترس سے باہر کی چیزیں تمثیلی وتشبیہی رنگ میں قرآن نے بتائی ہیں۔یہ باتیں جس بنیادی حقیقت سے تعلق رکھنے والی ہوتی ہیں وہ بجائے خود واضح اور مبرہن ہوتی ہے،عقل اس کے اتنے حصے کو سمجھ سکتی ہے جتنا سمجھنا اس کے لئے ضروری ہوتا ہے۔البتہ چونکہ اسکا تعلق ایک نادیدہ عالم سے ہوتا ہے اس وجہ سے قرآن ان کو تمثیل وتشبیہ کے انداز میں پیش کرتا ہے۔"(تدبر قرآن جلد۲،ص:۲۵)

اعتراض

What was man created From?

A blood clot (96: 1-2) water (21:30,24:45,25:54) sounding (i.e. burned) clay ,dust (3:59,30:20,35:11) noting (19:67) and this is then denied in (52:35) earth (11:61) adrop of thickened fluid (16:4,75:37)

انسان کی تخلیق کس چیز سے ہوئی؟

خون کے لوتھڑے سے سورۃ علق (آیت ۲-۱)، پانی سے سورۃ نور (آیت ۳۰-۴۵) سورۃ فرقان (آیت ۵۴) جلی ہوئی مٹی سے سورۃ حجر (آیت ۲۶)، خاک سے سورۃ آل عمران (آیت ۵۹)، سورۃ روم (آیت ۲۰)، سورۃ فاطر (آیت ۱۱)، کسی چیز سے بھی نہیں سورۃ مریم (آیت ۶۷)، پھر اسکا انکار سورۃ طور (آیت ۳۵)، زمین سے سورۃ ہود (آیت ۶۱)، گاڑھے پانی کے قطرے سے سورۃ نحل (آیت ۴)، سورۃ قیامت (آیت ۳۷)۔

جواب

ڈاکٹر موریس بوکائیے یہ لکھتے ہیں:

"جنین کے بڑھنے اور ترقی کرنے کے بعض مدارج کا قرآنی بیان پوری طرح ان معلومات سے مطابقت رکھتا ہے جو اس کے بارے میں آج ہمیں حاصل ہیں اور قرآن کریم میں ایک بھی بیان ایسا نہیں ہے جو جدید سائنس کے لحاظ سے تنقید کی زد میں آسکے"

(بائبل قرآن اور سائنس از موریس بوکائیے مترجم ثناء الحق صدیقی ص:۲۵۸) معترض نے جو آیات پیش کی ہیں ان میں دراصل مختلف اطوار کا ذکر ہے کہیں سبب قریب اور کہیں سبب بعید کا ذکر ہے۔ کہیں اجمال اور کہیں تفصیل یہ قرآنی اسلوب ہے۔ جنین کے مختلف مراحل کو اکھٹا سورۃ المومنون کی آیت ۱۲-۱۶ میں بیان کیا گیا ہے۔

اعتراض

Is the evil in our life from satan (38:41) ourselves (4:79) or Allah (4:78).

زندگی میں برائی کا سبب شیطان ہے (سورۃ ص آیت ۴۱)

خود انسان ہے (سورۃ نساء آیت ۷۹) خدا تعالیٰ ہے (نساء ۷۸)

جواب

سورۃ ص میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ کی اس دعا

کا یہ مفہوم نہیں کہ شیطان نے مجھے بیماری میں مبتلا کر دیا ہے اور میرے اوپر

مصائب نازل کر دیئے ہیں بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ بیماری کی

شدت، مال و دولت کے اور اعزہ واقربا کے منہ موڑ لینے سے میں جس تکلیف

اور عذاب میں مبتلا ہوں اس سے بڑھ کر تکلیف اور عذاب میرے لئے یہ

ہے کہ شیطان اپنے وسوسوں سے مجھے تنگ کر رہا ہے وہ ان حالات میں مجھے

اپنے رب سے مایوس کرنے کی کوشش کرتا ہے، مجھے اپنے رب کا ناشکرا بنانا

چاہتا ہے اور اس بات کے درپے ہے کہ میں دامن صبر ہاتھ سے چھوڑ بیٹھوں"

(تفہیم القرآن جلد ۴، ص: ۳۴۰)

پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

"عذاب سے مراد دل میں شیطان کی وسوسہ اندازی ہے۔ (ضیاء

القرآن، جلد ۴، ص: ۲۴۵)

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"بندے کو جو آزمائشیں پیش آتی ہیں وہ پیش تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے

آتی ہیں لیکن ان کے پیش آنے میں ایک اہم عامل شیطان بھی ہوا کرتا ہے

اس وجہ سے مشیت وقدرت کے پہلو سے وہ خدا کی طرف منسوب ہوتی ہیں اور سبب کے پہلو سے شیطان کی طرف۔ اسی پہلو سے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے دکھ اور آزار کو شیطان کی طرف منسوب کیا۔

(تدبر قرآن جلد ۶، ص: ۵۳۹)

سورۃ نساء کی آیات کے حوالہ سے امام بیضاویؒ لکھتے ہیں: فان الکل منه ایجاداً و ایصالاً غیر ان الحسنة احسان و السیئة مجازاة و انتقام (جلد دوم ص: ۲۲۲)

یعنی ہر کام کا موجد حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن آرام وخوشحالی اسکا احسان ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے بندہ کا امتحان بھی لیا جائے کہ وہ اس انعام پر کیسے شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف اور رنج انسان کی اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں کا نتیجہ اور ان کی سزا ہے۔

علامہ مراغی نے اپنی تفسیر میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔

(تفسیر المراغی جلد ۵، ص: ۹۷)

اعتراض

Will there be inquiry in paradise ?

"Neither will they question one another " (23:101), but nevertheless they will " enganging in mutual inquiry" (52:25) and they will...question one another (37:27).

کیا جنت میں آپس میں گفتگو ہوگی: وہ آپس میں کوئی بات نہیں کریں گے۔ سورۃ مومنون (آیت ۱۰۱) سورۃ طور (آیت ۲۵) میں ہے کہ وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے۔ سورۃ صافات (آیت ۲۷) میں ہے کہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

جواب

معترض نے آیات مختلف مواقع کی نقل کی ہیں اور سوال نہ کرنے کا اعتراض ایک خاص موقعہ کے حوالہ سے کیا۔ سورۃ مومنون میں میدان حشر کا ذکر ہے۔

"تسـاءل کے معنی آپس میں ایک دوسرے سے طالب مدد ہونا ہے۔ مصیبت کے وقت میں نسبی و خاندانی عصبیت اور قومی و قبائلی تعاضد و

تناصر اس دنیا میں بڑا سہارا ہے۔۔۔ فرمایا صور پھونکے جانے کے بعد سارے نسب ختم ہو جائینگے اور کوئی ایک دوسرے سے نہ طالب مدد ہو سکے گا اور نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا۔" (تدبر قرآن جلد ۵، ص: ۳۴۷)

سورۃ المعارج (آیت ۱۰) اور عبس (آیات ۳۴ تا ۳۷) میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ طور میں اھل جنت کا ذکر ہے "اھل جنت اپنے دوستوں سے سوال کریں گے اور ان کے ماضی کے حالات دریافت کریں گے کیونکہ ان مسائل کو یاد کرنا اور ان تمام مصائب و آلام سے نجات پانا اور ان تمام نعمتوں کا حصول خود ایک لذت ہے ٹھیک اسی طرح سے جب انسان کسی خطرناک سفر سے لوٹتا ہے اور امن و امان کے ماحول میں بیٹھتا ہے تو اپنے ساتھیوں سے ان کے گزرے ہوئے حالات کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور ان کے نجات پانے سے اظہار خوشی کرتا ہے۔"

(نمونہ جلد ۲۲، ص: ۳۷۴، ضیاء القرآن جلد ۴، ص: ۶۵۱-۶۵۲)

(تدبر قرآن جلد ۸، ص: ۲۸)

سورۃ الصٰفٰت میں " اس گفتگو کا ذکر کیا جا رہا ہے جو قوم کے گمراہ سرداروں اور انکے گمراہ پیروکاروں کے درمیان ہوگی۔"

(ضیاء القرآن جلد ۴، ص: ۲۰۱)

ای وا قبل التا بعون من االکفار ورؤساؤھم المضلون لہم
یسال بعضہم بعضا ۔ (المراغی جلد۲۳،ص:۵۲)

علامہ قاسمی بظاہر تضاد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ان نفی التسائول انما ھو وقت النفخ کما دل علیہ قولہ (فاذا) ای فوقت القیام من القبور و ھول المطلع بشغل کل بنفسہ۔ و اما بعدہ فقد یقع السائل کما قال تعالیٰ (واقبل بعضہم علی بعض یتساء لون) لان القیامۃ یوم ممتد ففیہ مشاھد و مواقف فیقع فی بعضہا تسائل و فی بعضہا دھشۃ تمنع منہ۔

اعتراض

How merciful is Allahs mercy ?

He has prescribed mercy for himself (6:12), yet he does gvide some, even though he could (6:35,14:4)

اللہ تعالیٰ کتنا رحیم ہے؟

اس نے خود پر رحمت کو لازم کرلیا ہے سورۃ انعام (آیت ۱۲) قدرت

کے باوجود کچھ لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا سورۃ انعام (آیت ۳۵)

سورۃ ابراہیم (۴)

جواب

رب قدوس کی رحمت سب کے لیے ہے لیکن اس سے استفادہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اسکے قانون ہدایت کی پابندی کریں گے۔سورۃ الاعراف میں اس قانون خداوندی کو رحمت الہی کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے:

واکتب لنا فی ھذہ الدنیا حسنة---ورحمتی وسعت کل شیء فسا کتبھا للذین یتقون ویوتون الزکوٰۃ والذین ھم بایٰتنا یومنون -(آیت ۱۵۶)

"اللہ کی رحمت کے دروازے ہر ایک پر کھلے ہیں اب یہ لوگوں کا کام ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ اان دروازوں کے اندر داخل ہونا ہے یا نہیں اب اگر کوئی اپنے میں وہ شرطیں پیدا نہ کرے جن کی وجہ سے وہ ان دروازں میں داخل نہ ہو سکے تو خود اسکی کوتاہی ہوگی اس سے اللہ کی رحمت پر کوئی حرف نہ آئیگا۔لیکن کسی کو یہ خیال گزرے کہ اللہ کی رحمت ہر ایک کے لیے ہے اور ہر شخص بلا کسی قید وشرط کے اسکا مستحق قرار پا سکتا ہے تو اس تو ہم کو دور کرنے کے لیے اس آیت کے آخر میں یہ اضافہ فرمایا گیا: میں عنقریب

اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لیے لکھوں گا جن میں تین صفتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ تقویٰ کو اختیار کرتے ہوں، زکوٰۃ ادا کرتے ہوں اور ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہوں۔ (تفسیر نمونہ جلد ۶، ص: ۳۳۶)

؎ باراں کہ در لطافت طبعش خلافِ نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

"میری رحمت کا دامن بہت وسیع ہے لیکن اس کے حقدار صرف وہی لوگ ہیں جن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں"

(ضیاء القرآن جلد دوم، ص: ۹۰)

زمین شورہ زار ہرگز سنبل بر نیارد

اگرچہ ہزاران مرتبہ باران بر آن ببارد

شوردار زمین نہیں اگتی چاہے ہزاروں مرتبہ اس پر بارش برسے۔۔ وجود انسانی کی سرزمین جب تک ہٹ دھرمی، عناد اور تعصب سے پاک نہ ہو ہدایت کو قبول نہیں کرتی۔

اعتراض

Is every thing devoutly obedient to Allah ?

That is the claim in (30:26) but dozens of verses speak of the proud disobedience of Sataan (7:11,15:28-31, 17:61,20:116,38:71-74.18:50) as well of many different human biengs who reject His commands and His revelations?

کیا ہر چیز صدق دل سے اللہ کی تابع ہے؟

سورۃ روم (آیت ۲۶) میں ہے کہ ہر چیز خدا کے تابع ہے، جبکہ دیگر بہت سی آیات میں ہے کہ شیطان نے نافرمانی کی نیز بہت انسان بھی نافرمان ہیں۔

جواب

"قانت" کا مادہ قنوت ہے جس کے معنی ایسی اطاعت کے ہیں عاجزی اور انکساری بھی شامل ہو۔

اطاعت دو طرح کی ہے۔

تکوینی اور تشریعی

تکوینی جو تمام موجودات عالم میں پائی جاتی ہے اور تشریعی جو انبیاء اور کتب آسمانی کے ذریعے انجام پذیر ہوتی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اس مقام پر ملکیت اور مطیع ہونے کا مفہوم ہے ملکیت واطاعت تکوینی ہے یعنی قانون آفرینش کے لحاظ سے ہر شے کی زمامِ امر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ خواہ نہ خواہ اس کے قوانین کا پابند ہے۔ یہاں تک کہ نافرمان، باغی اور قانون شکن گناہ گار بھی، خدا کے قانون تکوینی کی پابندی پر مجبور ہیں (تفسیر نمونہ جلد ۱۶، ص: ۲۴۳)

علامہ احمد مصطفیٰ المراغی سورۃ الروم کی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"ان من فی السمٰوٰت والارض من خلق الله مطیع له فیما اراد به، من حیاۃ او موت، من سعادۃ او شقاء، من حرکۃ او سکون الی اشباہ ذلک، وان عصاہ بقوله او فعله فیما یکسبه باختیارہ و یؤ ثرہ علی غیرہ "(تفسیر المراغی جلد ۲۱، ص: ۴۱)

اعتراض

Dose Allah forgive Shirk ?

Shirk is considered the worst of all sins, but the author of the Quran scems unable to decide if Allah will ever forgive it ar not , No [4:48,116] yes [4:153,25:68-71]. Abraham committed this sin of ploytheism as he takes moon, sun, stars to be his Lord [6:76-78] , yet mulims believe that all prophets are without any sin.

کیا اللہ شرک کو معاف کرے گا؟ یہ سب سے بڑا گناہ ہے اور قرآن کا مصنف یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ وہ اسے معاف کرے یا نہ. اللہ معاف نہیں کرے گا۔ (سورۃ نساء آیت ۴۸، ۱۱۶) معاف کردے گا (سورۃ نساء آیت ۱۵۳)، سورۃ فرقان (آیت ۷۱-۶۸) حضرت ابراھیم علیہ السلام نے بھی شرک کیا او ر سور ج چاند ستاروں کو اپنا خدا بتایا سورۃ انعام (آیت ۷۸-۷۶) اب بھی مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ انبیاء معصوم ہیں۔

جواب

سورۃ نساء کی آیت ۴۸، ۱۱۶ میں آخرت کا ذکر ہے جو شرک کرے گا آخرت میں اس کی بخشش نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ دنیا میں شرک کو چھوڑ کر موحد بن جائے اور توبہ کر لے۔ رہا بنی اسرائیل کی توبہ کا قصہ وہ تو الٹا معترض کے موقف کو غلط ثابت کر رہا ہے کیونکہ اس میں ان لوگوں کو بھی توبہ کا حکم دیا گیا جنہوں نے امر بالمعروف ونھی عن المنکر کے فریضہ سے کوتاہی کی۔

گویا ایسا مشرک جو بغیر توبہ کے مر گیا قیامت کے دن اسے معاف نہیں کیا جائے گا اور جسے دنیا میں توبہ کی توفیق مل جائے وہ معافی کا حقدار ہوگا۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے مناظرہ کو بھی معترض نے شرک سمجھ لیا۔ آپ کی قوم کی فطرت مناظرانہ تھی۔ ان کے اس مزاج کی بنا پر حضرت ابراھیم علیہ السلام نے بحث ومناظرہ میں استدراج کا طریقہ اختیار کیا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں:

و الحق ان ابراهيم عليه الصلوٰة و السلام كان فى هذا لمقام مناظراً لقومه، مبيناً لهم بطلان ما كانوا عليه من عبادة الهيا كل و الاصنام---

(تفسیر القاسمی جلد ۳، ص: ۳۵۳)

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا یہ فرمانا

یقوم انی بری مما تشرکون اس بات کا واضح ثبوت ہے آپ

بالواسطہ طور پر قوم کی عقل اور اسکے ضمیر کو بیدار کرنا چاہتے تھے۔

والخلاصہ — انہ حاور و داور، و تلطف فی القول، و

ارخی لخصمہ العنان، حتی وصل الی ما اراد بالطف وجہ

واحسن طریق، تبرئا من تلک المعبودات التی جعلوھا اربابا

و آلہۃ مع اللہ۔

(تفسیر المراغی جلد ۷، ص: ۱۷۲)

اعتراض

The event If worship of the golden calf:

The Israelites repented about

worshipping the golden calf before Moses

returned from the mountain (7:149) ,yet

they refused to repent but rather continued

to worship the calf until Moses came back

(20:91). Does Aaron share in their guilt ?

No [20:85-90] ,yes [20:92,7:151].

سنہرے بچھڑے کی پوجا کا واقعہ:

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے سے پہلے اس پر اظہار ندامت کیا سورۃ اعراف (آیت ۱۴۹)، انہوں نے اظہار ندامت سے انکار کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک پوجا جاری رکھی۔ سورۃ طہٰ (آیت: ۹۱)

کیا ہارون علیہ السلام نے اس گناہ میں حصہ لیا؟

نہیں سورۃ طہٰ (آیت ۹۰-۸۵)، ہاں سورۃ طہٰ (آیت: ۹۲) اعراف (آیت: ۱۵۱)

جواب

سورۃ اعراف کی آیت ۱۴۹ اور طہٰ کی آیت ۹۱ سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ جن میں کچھ سوجھ بوجھ تھی ان لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا لیکن انہوں نے اس معاملہ کے فیصلہ کو حضرت موسیٰ کی آمد تک مؤخر کیا۔ یہ بھی ہے کہ ترتیب ذکری سے یہ لازم نہیں آتا کہ ترتیب وقوعی بھی وہی ہو۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے اس غلطی میں قطعاً حصہ نہ لیا۔ سورۃ اعراف کے الفاظ و لا تجعلنی مع القوم الظالمین کی تفسیر کرتے

ہوئے علامہ قاسمی لکھتے ہیں:

ای فی عقو بتک لی ' فی عدادھم - اولا تعتقدانی منہم '

مع براء تی وعدم تقصیری (جلد۳،ص:۶۴۱)

قرآن کریم نے تو حضرت ہارون کی بریت کا ہی ذکر کیا ہے لیکن بائبل

نے یہ الزام حضرت ہارون پر ضرور لگایا ہے۔

(خروج باب ۳۲، آیت ۱تا۴)

اعتراض

Solomon Listening to Ants ?

In sura (27:18-19) Solomon overhears

aconvesation of ants. Fact is that ants do

not use sound but smell to communicate.

سورۃ النمل (آیت ۱۸-۱۹) میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے

چیونٹی کی آواز سنی۔ حقیقت یہ ہے چیونٹیاں آواز کی حس استعمال نہیں کرتیں

بلکہ پیغام رسانی کے لئے ان میں سونگھنے کی قوت ہے۔

جواب

سائنس ارتقاء پذیر ہے آنے والا کل بہت سے ایسے حقائق سے پردہ

اٹھائے گا جن کا آج انکار کیا جا رہا ہے۔ لیکن اگر سائنس کے نکتہ نظر سے بھی دیکھیں تو حشرات Insects میں Sence of hearing بھی ہوتی ہے۔

(Knut Schmidt - nielsen) نے لکھا ہے۔

"حشرات آواز کی بہت سی اقسام کے پیدا کرنے اور سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو کہ زیادہ تر رابطے خصوصاً جنس مخالف کے ساتھ تعلق کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ حشرات کے اعضاء سماعت ساخت کے اعتبار سے کافی مختلف ہوتے ہیں اور یہ جسم کے مختلف حصوں پر واقع ہوتے ہیں ظاہری طور پر یہ اعضاء ہمارے کانوں کی طرح آواز کی اپچ کیلئے حساس نہیں ہوتے بلکہ معلومات، آواز شدت (Frequency)، مدت (Duration) اور انداز (Pattron) کی تبدیلی کے ذریعے منتقل ہوتی ہیں۔ نر حشرات مادہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس کم Frequency کی تبدیلی سے آواز پیدا کرتے ہیں جس کو انسانی کان محسوس نہیں کر سکتا جبکہ یہ با آسانی اتنی آواز سے مادہ کو متوجہ کر سکتے ہیں۔ حشرات کی آواز کا انداز نسبتاً مستقل ہوتا ہے اور اپنی نوع (Specie) کیلئے خاص بھی۔"

(Animal Pathalogy P:544)

اعتراض

One creator or many? .

The Quran uses twice the phrose that Allah is the best of creations [23:14,37:125] what other creators are in mind? On the other hand, many verses make clear that Allah alone is the creator of all things [e.g. 39:62].Ther is nothing left for others to be a crator of.

قرآن نے دومرتبہ اس جملہ کو استعمال کیا کہ اللہ سب سے بہتر خالق ہے۔

سورۃ المومنون (آیت:۱۴)، سورۃ صافات (آیت:۱۲۵) دوسرے خالق کونسے ہیں؟ جبکہ دوسری طرف بہت سی آیات (مثلاً سورۃ زمر آیت :۶۲) میں ہے کہ صرف اللہ تمام مخلوقات کا خالق ہے۔ اگر ایسا ہے تو دوسرے خالقین کیلئے کیا بچا۔

جواب

۱-احسن الخالقین: ظاہر الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پیدا کرنے والے بہت سے ہیں البتہ سب سے بہتر پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ صرف وہی خالق ہے اور کسی کو تخلیق کائنات میں حصہ دار بنانا قطعاً توحید کے منافی ہے۔ خلق کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کسی چیز کو کسی موجود مادے اور سابقہ مثال کے بغیر پیدا کرنا ابداع الشئی من غیر اصل ولا احتداء (مفردات) اس معنی کے لحاظ سے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو کسی میں نہیں پائی جاسکتی۔ اس کا دوسرا معنی سابقہ مادہ سے کسی چیز کو موجودہ مثال کے مطابق بنالینا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں میں بھی پایا جاسکتا ہے اس آیت میں یہ لفظ اپنے دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (ضیاء القرآن جلد سوم، ص: ۲۴۹) البتہ اللہ کا کسی چیز کو خلق کرنا اور مخلوق کا خلق کرنا ان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اللہ کسی چیز کو خلق کرتے ہوئے اس کے اصل مادہ اور شکل وصورت دونوں کو خلق کرتا ہے جبکہ انسان کسی چیز کو ایجاد کرتا ہے تو پہلے سے موجود مواد کو استعمال کر کے کوئی نئی شکل دیتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی خلقت اور پیدا کرنا لامتناہی وغیر محدود ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت کاملہ رکھتا ہے جبکہ

انسان بہت ہی محدود پیمانے پر ایجادات کر سکتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر انسان یہ قابلیت اور تخلیقی صلاحیت رکھتا ہے تو یہ بھی اللہ کی مرضی سے ہی ہے۔ (تفسیر نمونہ جلد ۱۴، ص: ۱۸۸)

۲- اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ افعل کا صیغہ بالخصوص جبکہ وہ جمع کی طرف مضاف ہو بسا اوقات تفضیل و ترجیح کے مفہوم سے مجرد ہو کر محض اعلیٰ مرتبہ صفت کے اظہار کے لئے آتا ہے اس وجہ سے احسن الخالقین کے معنی ہوں گے کہ وہ صرف خالق ہی نہیں بلکہ بہترین خالق ہے۔

(تدبر قرآن جلد ۵، ص: ۳۰۵)

اعتراض

Begetting and self -sufficiency.

A self contradiction on account of

confused terminology.

رب ہونا اور بے نیازی میں تضاد ہے۔

جواب

معترض نے کسی آیت کی نشاندہی نہیں کی مگر لگتا ہے اس کا اشارہ سورہ یونس (۱۰) آیت: ۶۸ کی طرف ہے جس میں فرمایا گیا کہ " کہتے ہیں اللہ نے

ایک بیٹا بنا رکھا ہے سبحان اللہ وہ بے نیاز ہے اور اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے"

"کفار عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اس کے رد کے لئے دو دلیلیں پیش فرمائی جا رہی ہیں پہلی دلیل یہ کہ وہ غنی ہے یعنی کسی کا محتاج نہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے وجود، اپنی نشو ونما اور اپنی بقا میں اس کا محتاج ہے، اولاد کی ضرورت تو اس لئے محسوس کی جاتی ہے کہ انسان خود کمزور ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد ہو تا کہ وہ طاقتور ہو جائے اور اپنے دشمنوں کو مغلوب کر سکے یا وہ فقیر و کنگال ہے وہ چاہتا ہے کہ اسکی اولاد ہو جو کسب رزق میں اس کی معاون ثابت ہو یا انسان جب سوچتا ہے کہ ایک نہ ایک دن اسے یہاں سے رخت سفر باندھنا ہے تو اس کے دل میں اولاد کی خواہش پیدا ہوتی ہے جو مرنے کے بعد اس کے نام کو اور اسکی یاد کو زندہ رکھ سکے۔ جو ذات ہر قسم کی احتیاج اور ضرورت سے پاک ہے اس کو اولاد کی خواہش آخر کیوں ہو۔ دوسری دلیل له ما فی السمٰوات .... الخ سے دی کہ جب عالم ہست و بود کی ہر چھوٹی بڑی چیز اسکی پیدا کردہ ہے اور اسکی مملوک ہے تو وہ اس کی اولاد کیسے بن سکتی ہے۔"

(ضیاء القرآن جلد دوم ص: ۳۱۸)

پس اولاد کی ضرورت یا تو جسمانی قوت کی احتیاج اور مدد کے طور پر ہوئی ہے یا روحانی جذبانی ضرورت کے تحت اور چونکہ خدا ہر عیب و نقص اور ہر وضعی کمی سے منزہ ہے اس لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے لئے بیٹے کا انتخاب کرے

ایک اور بات پیش نظر رہے کہ بیٹا کسی موقع پر باپ سے غنی ہو سکتا ہے بلکہ باپ بیٹے کا محتاج ہو جاتا ہے لیکن مربوب اپنے رب سے غنی نہیں ہو سکتا اس لئے آیت: ٦٨ کا بیان بالکل صحیح ہے۔

اعتراض

Will all Muslims go to Hell?

According to sura 19:71 every muslim will go to Hill (for at last sometime), while another passage states that those who die in Tihad will go to avadise

سورۃ مریم کی (آیت: ٧١) میں ہے کہ ہر مسلم جہنم میں جائے گا چاہے تھوڑے وقت کے لئے۔ جبکہ دوسری آیات بتاتی ہیں کہ جہاد میں شہید ہونے والا فوڑا جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

جواب

سورۃ مریم کی آیت میں " منکم " کا مرجع تمام انسان نہیں بلکہ صرف کفار ہیں جنکا ذکر پہلے ہو رہا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ کلام سابق میں سب غائب کی ضمیریں ہیں یہاں اچانک ضمیر مخاب کیوں ذکر کی گئی تو اسکا جواب ظاہر ہے کہ التفات فی الضمائر اسلوب قرآن ہے۔ (ضیاء القرآن جلد سوم، ص: ۹۳)

نیکوکاروں کے جہنم میں نہ جانے کے بارے میں سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰۱-۱۰۲ ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض

Will jesus burn in Hill ?

jesus is raised to Allah [sura 4:158], near stationesd with him (3:45)worshiped by millions of christians, yet sura 21:98 says,that all that are worshiped by men besides Allah will burn in Hill

کیا عیسیٰ علیہ السلام دوزخ میں جلیں گے؟

انکو خدا نے اپنی طرف اٹھا لیا (سورۃ نساء، آیت ۱۵۸) وہ خدا کے قریب قیام پذیر ہیں آل عمران (آیت: ۴۵) چونکہ کروڑوں عیسائی ان کی پوجا کرتے ہیں۔ سورۃ انبیاء (آیت ۹۸) کے مطابق جنکی پوجا کی گئی وہ اور جو پوجا کرتے ہیں۔ اکٹھے دوزخ میں جلیں گے۔

جواب

سورۃ انبیاء میں خطاب مشرکین مکہ سے ہے کہ تمھیں اور تمہارے پتھر کے گھڑے ہوئے ان خداؤں کو جہنم کا ایندھن بنادیا جائے گا" ما "غیر ذوی العقول کیلئے ہے اس لئے اس میں فرشتے عزیر اور عیسیٰ داخل نہیں۔

(ضیاء القرآن جلد سوم، ص: ۱۸۷)

"بعض مشرک قومیں جو انبیاء اور صالحین کی پرستش کرتی ہیں ان کا انجام یہاں زیر بحث نہیں ان کے معاملات کی تفصیل قرآن کے دوسرے مقامات میں آئی ہے" (تدبر قرآن جلد ۵ ص: ۱۹۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سورۃ انبیاء کی آیت ۱۰۱ میں ذکر شدہ لوگوں میں شامل ہیں۔

اعتراض

Pharaoh's reprentance in the face of death?

According to sura 10:90-92, Pharaoh repented " in the sight of death" and was saved. But sura 4:18 says that such a thing can't happen.

موت کے وقت فرعون کا اظہار افسوس:

سورۃ یونس (آیت ۹۰-۹۲) میں ہے کہ فرعون نے موت کے وقت اظہار ندامت کیا اسے بچالیا گیا لیکن سورۃ نسا (آیت ۱۸) میں ہے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

جواب

سورۃ نسا میں مسئلہ توبہ اور اسکی شرائط کا ذکر ہے کہ وہ موت کی نشانیاں ظاہر ہونے سے پہلے ہو اور انسان ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھے۔ جب انسان زندگی سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے اس وقت کی توبہ کو توبۂ یاس کہتے ہیں ایسی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جاتی۔ اس آیت میں فرعون کی توبہ کا ذکر ہی

نہیں توبہ کے حصول کا ذکر کیا گیا ہے۔

فرعون نے نزول بلا اور موت کے چنگل میں گرفتار ہوتے وقت اظہار ایمان کیا یہ ایک قسم کا اضطراری ایمان ہے جسکا اظہار سب گنہگار اور مجرم کرتے ہیں ایسے ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ حسن نیت اور صدق گفتار کی علامت ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اب توبہ کرر ہا ہے پہلے تو طغیان کرنے والوں اور مفسدین فی الارض کی صف میں تھا۔

اعتراض

مسلمان کا عقیدہ ہے کہ تقدیر کے فیصلے لیلۃ القدر میں ہوتے ہیں اور ایک سال کے فیصلے کر کے آسمان دنیا پر بھیج دیئے جاتے ہیں جبکہ سورۃ الحدید (آیت ۲۲) کے مطابق سب کچھ لوح محفوظ میں تخلیق کائنات سے پہلے ہی لکھ دیا گیا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۱۳) کے مطابق انسان کی تقدیر اس کے گلے میں لٹکی ہوئی ہے یعنی انسان اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے۔

جواب

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے جو امور طے کر رکھے ہیں وہ لیلۃ القدر میں

تقسیم ہوتے ہیں اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے اذن Sanction سے ان کی تنفیذ کیلئے زمین میں اترتے ہیں" (تدبر قرآن ج:۹،ص:۳۶۹)

پس سالانہ منصوبہ کا اعلان لیلۃ القدر میں کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

ای فی لیلۃ القدر یفصل و یبین الامر المحکم فیکتب فیھا ما یکون فی السنۃ من الآجال والارزاق من خیر وشر وحیاۃ وموت وغیر ذلک (جلد ۲۵،ص:۲۰۷)

سورۃ بنی اسرائیل میں نتائج اعمال کا ذکر ہے تقدیر کا نہیں۔پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کی فلاح وخسران کا انحصار طوطے،کوے اور بلی چوہے پر نہیں بلکہ اس کے اعمال پر ہیں جن کو وہ اپنے اختیار سے بجالاتا ہے وہی اسے سرفراز کرتے ہیں اور وہی اسکی ذلت کا سبب بنتے ہیں وہ اپنے اعمال کے نتائج سے رستگاری حاصل نہیں کرسکتا وہ مکافات عمل کے قانون کو نہیں بدل سکتا اسکا اور اسکے اعمال کا رشتہ اتنا گہرا اور مضبوط ہے جیسے کوئی چیز گلے میں لٹک رہی ہو اور وہ اس سے جدا نہ ہوسکتی ہو۔"

(ضیاء القرآن جلد دوم ص:۶۴۵)

سورۃ حدید میں اللہ تعالیٰ کے علم محیط کل کا ذکر ہے۔

اعتراض

Wine: Good or bad?

Strong drink and.... are only an imfamy of satan's handiwork (5:90) also (2:219). Yet on the other hand in Paradise are rivers of wine (47:15,83:22,25). How does Satan's handiwork get into Paradise?

شراب نوشی شیطانی کام ہے مائدہ (آیت ۹۰)، بقرہ (آیت ۲۱۹)، دوسری طرف جنت میں شراب کی نہر ہے۔ سورۃ محمد (آیت ۱۵)، مطففین (آیت ۲۲-۲۵) شیطانی کام جنت میں کیسے جائز ہوگا۔

جواب

جنت کی گراں قدر اور بے نظیر نعمتوں کی تعریف وتوصیف سے زبان وقلم عاجز ہے قرآن کے بقول یہ نعمتیں کسی کے فکر اور ذہن میں نہیں سما سکتیں (الم سجدہ:۱۷) ان نعمتوں کو نہ آنکھ نے دیکھا اور نہ کانوں نے انکی حقیقت کے بارے میں کچھ سنا۔

قرآن کریم نعمت ہائے جنت کی ترغیب دلانے کے لئے دنیا کی بعض

مرغوب چیزوں کا ذکر جنت کے حوالہ سے کرتا ہے حقیقتاً ان میں کوئی مناسبت نہیں "یہاں کی نعمتوں سے وہاں کی نعمتوں کا ایک مبہم سا تصور تو آپ کر سکتے ہیں اور یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی بھی اسی لئے ہیں کہ ہم ان مجازی نعمتوں سے ان حقیقی نعمتوں کا تصور کر سکیں لیکن دونوں میں نسبت بہر حال حقیقت و مجاز ہی کی ہے۔ اس نسبت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے"

(تدبر قرآن جلد ۷، ص: ۴۰۴)

تفسیر نمونہ کے مؤلفین اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

"واضح سی بات ہے کہ بہشت کی شراب کا اس دنیا کی غلیظ اور نجس شراب سے کسی قسم کا کوئی رابطہ اور واسطہ نہیں جیسا کہ قرآن مجید ایک اور مقام پر اس شراب بہشت کی یوں تعریف کرتا ہے:

لا فیہا غول ولا ھم عنہا ینزفون وہ شراب ایسی ہے، جس سے نہ تو عقل خراب ہوتی ہے اور نہ سستی کا سبب بنتی ہے"

(جلد ۲۱، ص: ۳۹۰)

"قرآن پاک کی مختلف آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں کئی قسم کی شراب ہائے طہور کئی ناموں اور کیفیتوں کے ساتھ موجود ہیں جو ہر لحاظ سے دنیا کی ناپاک شرابوں سے مختلف ہیں۔ دنیا کی شرابیں عقل کو ختم کرتی

ہیں، جنون پیدا کرتی ہیں اور عداوت وخون ریزی اور فتنہ وفساد کا سرچشمہ بنتی ہیں، بدذائقہ اور نجس وناپاک ہوتی ہیں۔ لیکن جنت کی شرابیں عقل، نشاط اور عشق پیدا کرتی ہیں خوشبودار، معطر اور پاک ہیں اور جو لوگ انہیں پیتے ہیں وہ ناقابل بیان روحانی سرور حاصل کرتے ہیں۔ (جلد ۲۶، ص: ۲۳۷)

تفسیر نمونہ کی جلد ۱۹ اص: ۶۷ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

جنت کی اس شراب کے حوالہ سے امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں: "خمر کی صفت لذت میں مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے جس طرح زید عدل میں مبالغہ کا مفہوم ہے۔ یعنی وہ یکسر لذت ہی لذت ہوگی پینے والے اس سے نہ کسی قسم کی تلخی، ناگواری یا خمار کا احساس کریں گے نہ وہ بدمستی اور گناہ کی محرک ہوگی۔ (تدبر قرآن جلد ۷، ص: ۴۰۵)

سورۃ محمد کی آیت ۱۵ کے تحت احمد مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

"ای و فیہا انہار من خمر لذیذۃ لہم اذلم تدنسہا الارجل ولم ترنقہا (تکدرھا) الایدی کخمر الدنیا و لیس فیہا کراھۃ طعم وریح ولا غائلۃ سکر و خمار کخمور الدنیا فلا یتکرھہا الشاربون (جلد ۲۶، ص: ۵۸)

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ جب دنیا اور جنت کی شراب میں

کوئی مناسبت ہی نہیں تو معترض کا اعتراض خود ہی ختم ہو جاتا ہے۔

اعتراض

When Commended Paraoh the killing of the sons?

When Moses was a prophet and spoke God's truth to Pharaoh (40:23-25) or when he was still an infant (20:38-39)

فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا حکم کب دیا؟

جب موسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور فرعون کے سامنے دعوت پیش کی مومن آیت (۲۵۔۲۳)۔

جب موسیٰ علیہ السلام ابھی بچے تھے طٰہ (آیت ۳۹۔۳۸)

جواب

لڑکوں کے مار ڈالنے اور لڑکیوں کو زندہ رکھنے کا سلسلہ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے کے دور میں بھی تھا اور آپ کی نبوت کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا ملاحظہ ہو سورۃ اعراف آیت ۱۲۹ جو اس مدعا پر شاہد ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کے آنے سے پہلے

اور آپکے آنے کے بعد ہر دو زمانوں میں ہمیں ستایا گیا۔" یہ بھی ہے کہ وہ ایک سال بچوں کو قتل کرواتا اور ایک سال پیدا ہونے والے لڑکوں کو چھوڑ دیتا۔" (المنتظم، ابن جوزی، جلد اول، ص:۲۱۷)

اعتراض

Was paharaon drowned or raved when chasing Moses and the Israelites ?

saved(10:92), drowned

(28:40,17:103,43:55)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہوئے فرعون ڈوب گیا یا بچ گیا؟ بچالیا گیا۔ سورۃ یونس (آیت:۹۲) ڈوب گیا سورۃ قصص (آیت ۴۰)، سورۃ بنی اسرائیل (آیت:۱۰۳)

سورۃ زخرف (آیت:۵۵)

جواب

سورۃ یونس میں فرعون کے بدن (جسم بلا روح) کو بچانے کا ذکر ہے نہ کہ زندہ بچانے کا۔ بدن سے مراد فرعون کا بے جان جسم ہے کیونکہ اس ماحول کے لوگوں کے ذہن میں فرعون کی اس قدر عظمت تھی کہ اگر اسکے بدن

کو پانی سے باہر نہ اچھالا جاتا تو بہت لوگ یقین ہی نہ کرتے کہ اسکا غرق ہونا بھی ممکن ہے۔

علامہ قاسمی لکھتے ہیں: ای نخرجك من البحر بجسدك الذی لا روح فیه (تفسیر القاسمی جلد۴، ص:۲۷۷، الیسر التفاسیر جلد۲، ص:۵۰۴)

والبدن: الجسم بدون روح و هذا احتراس من ان یظن المراد الانجاء من الغرق - (التحریر والتنویر جلد۱۱، ص:۲۷۸)

اعتراض

Was Noah drven out ?

Before them the peole of Noah rejected(their massenger) they rejected our servant and said, Here is one possessed and was driven out(sura 54:9)Now if he is driven out (expdled from their country)how come they can scoff at him while he is building the ark since we read" Forwith he (starts) constructing the ark.Every time that

the chiefs of his people passed by him,they threw ridicule on him (sura 11:38)He cannot be both.Driven out and near enough that they can regularly pass by?

کیا نوح علیہ السلام کو جلاوطن کر دیا گیا؟

سورۃ قمر (آیت: ۹) کے مطابق آپ کو جلا وطن کیا گیا اور سورۃ ہود (آیت: ۳۸) میں ہے کہ کافر آپکا کشتی بناتے وقت مذاق اڑاتے۔ جلاوطن کیئے ہوئے اتنے قریب کہ لوگ باقاعدگی سے مذاق اڑاتے۔

جواب

سورۃ قمر (آیت: ۹) سے معترض غلط فہمی کا شکار ہوا وازدجر کا جملہ اصل میں زجر سے ہے یہ لفظ ہر ایسے عمل کے لئے بولا جاتا ہے جس سے روکنا مقصود ہو۔ "نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو کفر و شرک اور بدکاریوں سے روکا تو ان کمبختوں نے صرف انکو جھٹلایا ہی نہیں، صرف انہیں دیوانہ ہی نہیں کہا بلکہ انکو بری طرح جھڑکتے اور دھمکیاں بھی دیتے تھے کہ اگر تم نے اپنے وعظوں کا سلسلہ بند نہ کیا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔

(ضیاء القرآن جلد ۵، ص: ۵۵)

اس لفظ کا مفہوم واضح ہونے کے بعد تضاد کی نام نہاد غلط فہمی ختم ہو جاتی ہے۔ دیگر مفسرین نے وازدجر کے مفہوم کی وضاحت کے لئے درج ذیل تعبیرات اختیار کی ہیں:

ابن کثیر لکھتے ہیں:

وازدجر :ای انتهروه وزجروه و توعدوه

(جلد۷،ص:۴۷۶)

علامہ قاسمی لکھتے ہیں زجر عن الانذار والتبلیغ بشدة قساوة (جلد۶،ص:۳۸۶)

تفسیر مراغی میں ہے۔

وازدجر: ای وزجر عن التبلیغ بانواع الاذی والتخویف (جلد۲۷،ص:۸۱)

ڈاکٹر واھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

والتهموه بالجنون وانتهروه وزجروه وتواعدوه عن تبلیغ الدعوة بمختلف انواع الایذاء والسب والتخویف قائلین: لئن لم تنته یا نوح لتکونن من المرجومین

(الشعراء۱۱۶)

اعتراض

What is the punishmint of adultery?

Flogging with 100 stripes (men and women) (24:2) Confine them to housed until death do claim them (lifelong house arrest -for the women).For men if the repent and amend leave them alone (4:16).24:2 contradicts both the procedure for women and men in sura 4. And why is the punshment for women and men in sura 24 but different in sura 4.

زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارو (النور: آیت ۲)

عورتوں کو گھروں میں بند کر دو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے (سورۃ النساء آیت: ۱۵) اگر مرد اظہار ندامت کریں اور خود کو درست کریں تو ان کو چھوڑ دو (سورۃ النساء آیت: ۱۶)

مرد اور عورت کی سزا پہلی آیت میں یکساں ہے جبکہ دوسری آیت میں

مختلف ہے کیوں؟

جواب

سورۂ نساء کی آیات ۱۵-۱۶ میں زنا کے سلسلہ میں ابتدائی احکام دیئے گئے جب کہ حالات حدود وتعزیرات کے نفاذ کے لئے ابھی سازگار نہیں ہوئے تھے اور ساتھ ہی یہ اشارہ فرمایا کہ اس بارے میں قطعی حکم بعد میں نازل ہوگا او یجعل الله لہن سبیل (نساء آیت:۱۵)

اعتراض

Marrying the wives of adpoted sons?

It is important that Muslims can marry the divorced wives of adpoted sons (sura 33:37) ,yet it is forbidden to adopt sons (Sura 33:4-5)

مسلمان اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ سے شادی کرسکتے ہیں (سورۃ الاحزاب آیت:۳۷)

لیکن منہ بولا بیٹا بنانا منع ہے۔ سورۃ الاحزاب (آیت ۴-۵)

جواب

سورۃ الاحزاب میں جاہلیت کی ایک اہم رسم پر کاری ضرب لگائی گئی۔اس معاشرہ میں منہ بولے بیٹے کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے تھے جو حقیقی بیٹے کے ہیں اس طرح وہ سارا نظام وراثت وقرابت ومعاشرت ختم ہو جاتا جس کی بنیاد پر معاشرتی امن وسکون قائم ہے۔ نبی کریم ﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں اور آپ کی حیات مبارکہ اسوہ حسنہ ہے اس لئے آپ نے خود حضرت زینب علیہا السلام سے نکاح کر کے اس باطل رسم کو عملاً ختم کیا۔آیت کریمہ کا جملہ کان امر اللہ مفعولاً اس شادی کے مقصد کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ زمانہ جاہلیت کی رسم کو توڑنے کیلئے ہے۔گویا آیت ۳۷ میں پہلے سے بنی ہوئی رسم کو توڑنے کیلئے حکم ہے اور آیت ۴-۵ میں آئندہ کیلئے ایک قانون بیان کردیا۔

پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں: سورۃ پاک کے آغاز میں حکم دیا کہ متبنیٰ تمہارا حقیقی بیٹا نہیں۔یونہی صرف زبان ہلا دینے سے کسی کا بیٹا اپنا بیٹا نہیں بن سکتا۔اس لئے نہ ان کو اپنا بیٹا سمجھو نہ زبان سے اسکی فرزندی کی نسبت اپنی طرف کرو۔اس ارشاد پر عمل کی ابتداء بھی ذات رسالت مآب ﷺ سے ہوئی۔حضرت زید جنہیں زید بن محمد ﷺ کہہ کر پکارا جاتا تھا اب پھر اپنے

حقیقی باپ کی طرف منسوب ہو کر زید بن حارثہ کہے جانے لگے۔ لیکن ابھی تک اس رسم ورواج کے کئی غلط اثرات باقی تھے جن کے متعلق قوم کے جذبات از حد حساس واقع ہوئے تھے، ان کے خلاف سوچنا بھی ان کے اختیار میں نہ تھا۔ اپنے متبنیٰ کی زوجہ ان کے نزدیک بعینہٖ اسی حیثیت کی مالک تھی جو اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی تھی عرب کا قانون بھی اپنے بیٹے کی بیوی مطلقہ ہو یا بیوہ سے نکاح کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ قرآن نے بھی اسکی حرمت کو برقرار رکھا متبنیٰ کی بیوی کی حیثیت بھی وہی تھی، اس کے حرام ہونے میں انہیں قطعاً کوئی شبہ نہ تھا۔ اسلام نے اس قبیح رسم اور اس پر مترتب ہونے والے نتائج کو منسوخ کر دیا۔ جب حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق انہیں اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ اس طرح اس رسم بد پر کاری ضرب لگا کر ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ کر دیا۔" (ضیاء القرآن جلد ۴، ص: ۶۰)

اعتراض

Could Allah have a son?Sura 39:4 affirms and sura 6:101 denies this possibility?

کیا اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہوسکتا ہے؟

سورۃ زمر (آیت :۴) سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا بیٹا ہوسکتا ہے اور سورۃ انعام (آیت ۱۰۱) سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کا بیٹا نہیں ہوسکتا۔

جواب

معترض سورۃ زمر کی پوری آیت پر غور کرتا تو اشکال نہ رہتا۔ اس آیت کے پس منظر کے بارے میں امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"یہ مشرکین عرب کے عقیدے پر تعریض ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مان کر ان کو معبود بنا رکھا ہے اور ان کو خدا کے تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

ان کم عقلوں نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ اگر خدا اپنے لئے اولاد ہی بنانے کا ارادہ کرتا تو وہ بیٹیاں کیوں بناتا ، وہ اپنی مخلوقات میں سے جس بہتر سے بہتر مخلوق کو چاہتا اپنے لئے منتخب کرتا۔ (تدبر قرآن جلد ۶، ص: ۵۶۳)

حرف 'لو' پر گفتگو کرتے ہوئے تفسیر نمونہ کے مؤلفین لکھتے ہیں:

"بہر حال لفظ ' لو ' جو عام طور پر محال شرطوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ایک فرضِ محال ہے کہ کسی فرزند کا انتخاب کرے اور اگر بفرضِ محال اسے کوئی ضرورت ہوتی تو جو کچھ وہ کہتے ہیں اسے

اس کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ اسکی برگزیدہ مخلوق اس مقصد کو پورا کردیتی۔"

(جلد۱۹،ص:۳۰۴)

اسی آیت میں لفظ سبحانہ کی وضاحت کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:"اولاد کا ہونا تمہارے لئے تقویت اور عزت ووقار کا باعث ہے کیونکہ تم کمزور ہو، ضعیف ہو۔دشمنوں کا تنہا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو، تمہاری اولاد ہوگی تو تم طاقتور بن جاؤ گے۔نیز تم فنا ہونے والے ہو تمھیں اولاد کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ تمھارے مرنے کے بعد تمھارا نام تمھاری اولاد کے ذریعے باقی رہے لیکن اللہ تعالیٰ جو قہار ہے، جو حیّ لا یموت ہے اسکے لئے اولاد کی ضروت کا تصور بھی گستاخی اور بے ادبی ہے۔وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے اس لئے اولاد کا عقیدہ رکھنا اسکی شانِ کبریائی سے جہالت کی دلیل ہے۔(ضیاء القرآن جلد۴،ص:۲۶۰)

اس کے ساتھ یہ بات بھی نگاہ میں رکھنی چاہیے کہ "اگر اللہ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا تو ایسا کرتا" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ نے ایسا کرنا کبھی نہیں چاہا اس طرز بیان سے یہ بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے کہ کسی کو بیٹا بنالینا تو درکنار اللہ نے ایسا کرنے کا کبھی ارادہ بھی نہیں کیا۔(تفہیم القرآن جلد۴،ص:۳۵۸)

اعتراض

Will christttian enter toparadise or go to hell? Surah 2:62, and 5:69 say yes SUrah 5:72 (just 3 verse later) and 3:85 say : NO.

عیسائی جنت میں جائیں گے یا دوزخ میں؟

عیسائی جنت میں جائیں گے۔ سورۃ بقرہ (آیت ۶۲)، سورۃ مائدہ (آیت ۵

عیسائی جنت میں نہیں جائیں گے۔ سورۃ مائدہ (آیت :۷۲)، آل عمران (آیت ۱۵)

جواب

سورۃ بقرہ کی آیت :۶۲ کے موقع ومحل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سوال یہ نہیں ہے کہ نجات کے لئے کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور کن چیزوں پر ضروری نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ خدا کے ہاں کسی کو کوئی درجہ یا مرتبہ کسی مخصوص خاندان یا فرقہ یا گروہ سے نسبت رکھنے کی بنا پر حاصل ہوتا ہے یا ایمان اور عمل صالح کی بناء پر؟ اس سوال کا جواب قرآن مجید نے

یہ دیا ہے کہ یہ چیز صرف ایمان اور عمل صالح کی بناء پر حاصل ہوتی ہے یہ کسی خاندان یا کسی گروہ کا اجارہ نہیں اور مقصود اس سے یہود کے سامنے اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ انبیاء کے خاندان سے نسبت رکھنے کے سبب سے اپنے آپ کو وہ ایک نجات یافتہ گروہ جو سمجھنے لگے تو یہ سراسر ان کی غلط فہمی ہے ۔خدا سے نسبت حاصل کرنے کی اصل چیز اللہ اور آخرت پر ایمان اور عمل صالح ہے۔

(تدبر قرآن جلد اول ص:۲۳۲)

جس سلسلہ کلام میں یہ آیت وارد ہے اس کے شروع میں رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔علاوہ ازیں آپ کی بعثت تمام لوگوں کے لئے ہوئی۔اس لئے نجات کے لئے آپ پر اہل کتاب کو بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

تفصیل کے لئے...... تفسیر موضوعی جلد ۳ ،ص:۲۱۷ تا ۲۲۵، تفہیمات از مولانا مودودی جلد اول ص:۱۶۷-۱۷۷

اعتراض

Jins and men created for worship or for hell created only to serve God(51:56), many of them made for hell(7:179)

جن وانس عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں یا جہنم کے لئے؟۔جن و انس عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔(الذاریات آیت ۵۶)،ان میں بہت سے دوزخ کے لئے (اعراف ۱۷۹)

جواب

اگر آیات قرآن کوایک دوسرے کی روشنی میں غور سے دیکھا جائے اور سطحی نتائج اخذ نہ کئے جائیں تواس سوال کا جواب اس آیت میں موجود ہے اور دوسری آیات میں تو اس وضاحت کے ساتھ نظر آتا ہے کہ قارئین کے لئے غلط فہمی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔کیونکہ پہلے تو یہ تشریح اس طرح درست ہے کہ مثلاً ایک بڑھئی کہتا ہے کہ جولکڑیاں میں لایا ہوں ان کا زیادہ تر حصہ خوبصورت دروازے بنانے کے لئے ہے۔اور دوسرا یعنی باقی ماندہ حصہ جلانے اور آگ روشن کرنے کے لئے ہے جولکڑیاں صاف ستھری ،مضبوط اور صحیح سالم ہیں انہیں پہلے مصرف میں لاؤنگا اور جولکڑیاں خراب اور

ٹوٹی پھوٹی ہیں انہیں دوسرے کام میں صرف کرونگا تو ظاہر یہ ہوا کہ بڑھئی کے دو مقاصد ہیں ایک حقیقی اور اصلی دوسرا ثانوی ۔ اس کا ہدف تو بہترین دروازے ، ان پر خوبصورت نقش ونگار اور لکڑی کا دیگر سامان تیار کرنا ہے۔ اور وہ اپنی تمام تر کوشش اس مقصد کے حصول میں صرف کرے گا۔ لیکن جب وہ دیکھے گا کہ کچھ لکڑی نا کارہ ہے اور اس کے کام کی نہیں تو اسے جلانے کے لئے الگ کر دے گا تو یہ ثانوی ہدف ومقصد ہے نہ کہ اصلی۔

اس مثال میں اور ہمارے زیر بحث موضوع میں فرق صرف یہ ہے کہ لکڑیوں کا ایک دوسرے سے فرق اختیاری نہیں ہے۔ لیکن انسانوں کا فرق خود انکے اعمال سے وابستہ ہے اور انکے اختیار میں ہے۔ دوسرے لفظوں میں خدا نے مختلف آیات میں یہ بتایا ہے کہ اس نے سب کو پاک وپاکیزہ خلق فرمایا ہے

اور یہ ان کے اختیار میں ہے کہ وہ چاہیں تو نیکی کے رستے پر چلیں اور ترقی پائیں لیکن ایک گروہ اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم کا راستہ اختیار کرتا ہے جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور ایک گروہ اپنے اعمال کی بناء پر اپنے آپ کو بہشت کیلئے نامزد کرتا ہے اور اس کا انجام خوش بختی ہے۔

(تفسیر نمونہ جلد ۷، ص: ۳۶-۳۷)

محمد متولی الشعراوی لکھتے ہیں:

و الحق سبحانه لم يخلق البشر من اجل الجنة او النار -لكنه عزوجل خلقهم ليعبدوه ۰ فمنهم من آمن و اصلح فدخل الجنة ۰ و منهم من عصى فدخل النار و هذا اسمه "لام العاقبة"

قرآن کریم کی سورۃ القصص کی آیت ۷، ۸، ۹ کو بطور مثال پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و هكذا لا تكون علة الخلق ان يدخل كثير من الجن و الانس النار في قوله الحق ولقد ذرانا لجهنم كثيرا من الجن والانس-

لان علة الخلق في الاصل هي العبادة ۰ والعبادة طائعاً و عاصياً فالذي يطيع يدخل الجنة ۰ والذي يعصى يدخل النار

(تفسیر الشعراوی جلد ۷، ص: ۴۴۷۴-۴۴۷۶)

امام رازی کا پسندیدہ جواب بھی یہی ہے کہ اس آیت میں لجہنم پر جولام ہے وہ لام عاقبت ہے یعنی ان کی تخلیق کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے کفرو نافرمانی سے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنادیا اور وما خلقت الجن و الانس الا ليعبدون میں لام غایت کا ہے۔ یعنی ان کی پیدائش کی حقیقی

غرض وغایت یہ تھی کہ یہ عبادت کریں اور رضاء خداوندی حاصل کریں اور نعیم ابدی سے متمتع ہوں اس لیے آیت میں تعارض نہ رہا۔

(ضیاء القرآن جلد۲،ص:۱۰۵)

قرآن اور سائنس

قرآن اور سائنس کے نام سے external comtradiction کو زیرِ بحث لاتے ہوئے معترض نے مختلف اعتراضات کئے ہیں ذیل میں پہلے قرآن اور سائنس کے دائرہ کار کو زیرِ بحث لا کر یہ واضح کیا گیا ہے کہ دونوں کا انسانیت کے کن گوشوں سے تعلق ہے اس طرح قرآن اور سائنس کے حوالہ سے تمام اعتراضات کا ایک اصولی جواب دیا ہے. بعد ازاں بعض اعتراضات کے تفصیلی جواب دیئے گئے ہیں:

اعتراضات:

1-Solomon and listening to ants ?

2-The stars and the moon ?

3-Quran and Embryology ?

4-Can no-living matter think, and have a will ?

5-The human embryonic develpment ?

6-The place of sun rise and sun set ?

7-Stars crated to be thrown at devils ?

8-Sun and moon are subject to man ?

9-Orbits of earth moon and sun ?

10-Mountains and earthquakes ?

11-The impossible conversation?

12-Solom and animals?

13-Thinking with the breasts ?

14-All things are made in pairs ?

قرآن کا موضوع " انسان " ہے. اس کا تصور واعتقاد' اس کا شعور و ادراک' اس کا رویہ اور طرزِ عمل اور اس کے تعلقات وروابط. قرآن کا کام یہ ہے کہ کائنات کا عمومی تصور عطا کرے اور اس کے خالق سے اس کا تعلق واضح کردے یہ بتاے کہ کائنات میں انسان کا کیا مقام ہے اور اسکا اپنے رب سے کیا تعلق ہے. قرآن انسان کو تفتیش وتجربہ کے لئے آزاد چھوڑ دیتا ہے انسان علم وتفتیش کے میدان میں غلطی بھی کرسکتا ہے اور صحیح نتائج تک

بھی پہنچ سکتا ہے البتہ قرآن نے انسان کے لئے صحیح غور و فکر کے پیمانے متعین کر دیئے ہیں. یہ بات درست نہ ہوگی کہ کائنات کے بارے میں جن حقائق کا ذکر قرآن کائنات کے مزاج، اس کے خالق سے اس کے تعلق اور اجزائے کائنات کے درمیان باہمی ربط واضح کرنے کے دوران کبھی کبھی کرتا ہے ان کو ہم انسانی عقل کے قائم کردہ مفروضات اور نظریات کا پابند بنا دیں. قرآن کے حقائق آخری اور قطعی ہیں اور مطلق ہیں. انسانی تحقیق جو حقائق دریافت کرتی ہے، قطع نظر اس کے کہ اس تحقیق کے ذرائع کیا ہیں وہ آخری ہوتے ہیں نہ قطعی یہ حقائق ان حدود کے اندر ہی درست ہوتے ہیں جن کے اندر انسانی تجربہ کیا جاتا ہے جن حالات میں یہ تجربات کئے گئے ہوں اور جن آلات وذرائع سے ان میں کام لیا گیا ہو وہ بھی ان کی حدیں مقرر کرتے ہیں. سائنس کا اپنے موضوع میں یہ حال ہے کہ وہ کل جس چیز کو ثابت کرتی ہے اسے آج رد کر دیتی ہے. جن حقائق کو وہ دریافت کرتی ہے وہ آخری ہوتے ہیں نہ قطعی نہ مطلق۔ لہٰذا انسان کے اپنے سائنسی طریقۂ تحقیق کی روشنی میں یہ طریقہ اختیار کرنا غلط ہوگا کہ ہم قرآن کے آخری حقائق کو ایسے حقائق پر معلق کر دیں جو آخری نہیں ہیں. سائنسی قوانین کی بے ثباتی کو خود آئن سٹائن نے ان الفاظ میں بیان کیا" سائنس کا قانون حرف

آخر قرار نہیں پا سکتا " اس لئے جوں جوں سائنس ترقی کرتی جاتی ہے وہ تصورات جن کی بنیادوں پر وہ قوانین مبنی ہوتے ہیں، نامکمل اور ناکافی ثابت ہوتے چلے جاتے ہیں" ﴿مقالاتِ سیرت ۱۹۹۵، ص:۱۶۶﴾

سائنس اور مذہب کے دائرہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے آئن سٹائن اپنی کتاب .out of my later days میں لکھتا ہے:

" سائنس صرف یہ بتا سکتی ہے کہ کیا ہے، وہ یہ نہیں بتا سکتی کہ کیا ہونا چاہئے اس لئے اقدار کی قیمت متعین کرنا اس کے دائرے سے باہر ہے. اس کے برعکس مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ انسانی فکر و عمل کی قیمت متعین کرے. سائنس کے علمبرداروں نے اکثر اوقات اس امر کی کوشش کی ہے کہ وہ سائنس کی رو سے اقدار کے متعلق قطعی فیصلہ نافذ کریں. یہ (ان کی غلطی ہے اس جس کی وجہ سے وہ مذہب کے خلاف محاذ قائم کر کے بیٹھ جاتے ہیں. سائنس کے نزدیک بس ایک شے ہوتی ہے. اس کی دنیا میں آرزوں، اقدار، خیر، شر، نصب العین، حیات کا کوئی وجود نہیں ہوتا سائنس نہ تو اقدار متعین کر سکتی ہے اور نہ ہی انہیں سینے کے اندر داخل کر سکتی ہے. سائنس زیادہ سے زیادہ ایسے ذرائع فراہم کر سکتی ہے جس سے انسان اپنا مقصد حاصل کر لے. مقصد کا تصور و تعیین صرف بلند ہستیاں ہی کر سکتی ہیں " ﴿ایضاً ص:۱۶۶-۱۶۷﴾

سائنس کا ایک مخصوص میدان ہے اس نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ روح کے بارے میں بھی اسے کوئی ثابت شدہ چیز معلوم ہے یہ چیز تو سائنسی حدود میں داخل ہی نہیں. یہ ایسی چیز نہیں کہ مادی ذرائع سے اس کو جانچ کر حقائق تک رسائی حاصل کی جا سکے.

اس کا یہ مطلب نہیں کہ سائنس کائنات 'حیات' اورانسان کے بارہ میں جو نظریات اور حقائق سامنے لائے ان سے ہم قرآن کے فہم میں فائدہ نہ اٹھائیں ہرگز نہیں بلکہ سائنس آفاق و انفس میں اللہ کی جو نشانیاں بھی دریافت کر سکے ہم ان پر مسلسل غور و فکر کرتے رہیں اور اپنے فکر میں قرآن کے معانی کو ان علمی اکتشافات کے مطابق وسیع کرتے رہیں لیکن اس کا قطعی یہ مفہوم نہیں کہ ہم سائنس سے قرآن کے حق میں دلیل فراہم کرنا چاہتے ہیں. اس سلسلہ میں خود عیسائیوں نے جو نقطۂ نظر اختیار کیا وہ بھی ملاحظہ ہو: ایف. ایس خیر اللہ قاموس الکتاب میں لکھتا ہے:

" سائنسی تحقیقات کے برعکس پاک کلام کی تعلیم کا مقصد اخلاقی اور دینی نوعیت کا ہے" ﴿ ص: ۲۴۰ ﴾

انجیل میں دن سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مئولف مذکور لکھتا ہے. " بعض شخص اصرار کرتے ہیں کہ خدا نے چوبیس گھنٹے والے چھ دن میں

دنیا کو بنایا. لیکن یہ بات ارضیات کی تحقیقات کے مطابق صحیح معلوم نہیں ہوتی. کچھ اور لوگ دن کو ایک طویل عرصہ گردانتے ہیں اور یوں ارضیات کی تحقیقات اور کلامِ مقدس کے بیان کو ہم آہنگ کرنا چاہتے ہیں. یہ قدم بھی خطرناک ہے کیونکہ تجربہ بتاتا ہے کہ سائنس کے نظریئے اور مفروضے نئی دریافتوں کی وجہ سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں"

﴿ قاموس الکتاب' ص: ۲۴۲ ﴾

ان اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا کہ مابعد الطبیعاتی حقائق سائنس کے نظریات سے واضح نہیں کئے جا سکتے بائبل میں مندرج سائنسی بیانات پر ایک فاضل مستشرق ڈاکٹر موریس بوکائیے نے کھل کر تنقید کی ہے لیکن قرآن کی سائنسی معلومات کو اس نے کتاب کے الہامی ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ہے. اس سلسلہ میں چند اقتباسات درج ذیل ہیں.

"ہر جاندار کے پانی سے پیدا کئے جانے پر تبصرہ کرتے ہوئے مستشرق مذکور لکھتا ہے: "قرآن حکیم میں آغازِ حیات کے متعلق جتنے بیانات ہیں وہ جدید سائنسی معلومات سے کلیتہً ہم آہنگ ہیں. قرآن کے ظہور میں آنے کے زمانے میں آغازِ حیات کے متعلق جتنے افسانے مشہور تھے ان میں سے کسی کا بھی قرآن میں ذکر نہیں" ﴿ص: ۱۷۷﴾

رحم مادر میں بچے کی نشونما کے حوالہ سے قرآن کی متعدد آیات نقل کر کے لکھا ہے: "جنین کے ارتقائی مراحل کا قرآنی بیان ان معلومات کے بالکل مطابق ہے جو اس موضوع پر آج ہمیں حاصل ہیں اور قرآن میں ایک بھی بیان ایسا نہیں جس پر علمِ جدید کو تنقید کا موقعہ مل سکے ﴿ص: ۲۱۸﴾

اس سلسلہ میں ممتاز مفتی نے اپنی کتاب تلاش میں ایک واقعہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں "حال ہی میں سعودی عرب کے شہر ریاض میں دو بھائیوں نے Foetus. کے متعلق قرآن میں جو کچھ لکھا ہوا تھا وہ اکٹھا کیا اور دورِ حاضر میں Foetus specialist ایک غیر ملکی سائنسدان کو بھیج دیا. اس سائنسدان کا نام تھا Keith moore-اس نے Foetus پر بڑا کام کیا تھا اور بہت سی کتابیں لکھی تھیں جو ٹیکسٹ بکس کے طور پر پڑھائی جا رہی تھیں. دونوں بھائیوں نے کیتھ مور کی ہر طریقے سے مدد کی. عربی الفاظ کا مفہوم سمجھایا. دراصل کیتھ کے لئے ایک مشکل آن پڑی. قرآن میں لکھا ہے کہ ابتدائی دور میں Foetus ایک چھوٹی سی جونک کی طرح ماں کے رحم کی دیوار سے چپکا ہوتا ہے. کیتھ مور نے کبھی جونک نہ دیکھی تھی اسلئے Zoology کے محکمے میں گیا وہاں جا کر اس نے جونک دیکھی. اس کی تصویریں کھینچیں. کیتھ کہتا ہے میں تو حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ قرآن

نے Foetus کی جو تصویر کھینچی تھی وہ صحیح تھی حقیقت کے عین قریب تھی اس کے بعد کیتھ نے اپنی تمام تصنیفات پر نظر ثانی کی اور Foetus کی نئی تصویریں کتابوں میں شامل کیں۔ ﴿ص: ۱۹۴﴾

موریس بوکائیے نے اپنی کتاب "دی بائیبل قرآن اینڈ سائنس کا اختتام ان الفاظ پر کیا ہے:

"محمد ﷺ کے زمانے کی انسانی معلومات کے پیش نظر یہ تصور کرنا بھی ناممکن ہے کہ قرآن کے اکثر بیانات، جن کا تعلق سائنس سے ہے وہ کسی انسان کا کام ہو سکتے ہیں مزید برآں یہ بات بالکل جائز ہے کہ قرآن کو نہ صرف وحی تسلیم کیا جائے بلکہ اس کو ایک خاص مقام دیا جائے۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ اپنے مستند ہونے کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور دوسری طرف اس میں ایسے سائنسی بیانات ہیں جن کا اگر آج مطالعہ کیا جائے تو بھی اس کے انسانی کلام ہونے کی کوئی توجیہ ممکن نہیں۔ ﴿ص: ۲۶۹﴾

مندرجہ بالا سطور میں قرآن اور سائنس کے بارے میں کئے جانے والے اعتراضات کا عمومی جواب دیا گیا ہے۔

(۱)

معترض نے قرآن اور سائنس کے حوالہ سے جو اعتراضات کئے ہیں

ان میں ایک ایمبر یالوجی کے حوالہ سے ہے اس ضمن میں کیتھ مور کی تحقیقات جو.Journalof Islamic medical Association ' جلد ۱۸ ﴿جنوری تا جون ۱۹۸۶﴾ میں شائع ہوئیں نقل کی جاتی ہیں اگر چہ یہ طویل مضمون ہے' لیکن قرآن میں ایمبر یالوجی کے حوالہ سے بہت اہم ہے اس لئے نقل کر رہا ہوں:

قرآن حکیم میں جا بجا انسانی افزائش نسل ﴿Reproduction﴾ ا ورنشو ونما ﴿Sevelopment﴾ کے متعلق ارشادات موجود ہیں. ہاں البتہ یہ حال ہی میں ممکن ہو سکا کہ ان (موضوعات کی) آیات کے سائنسی مفاہیم کو مکمل طور پر سمجھا جا سکے. ان آیاتِ قرآنی کی صحیح تشریحات میں اس قدر تاخیر کی وجہ' ان کا غیر مناسب ترجمہ اور تفسیر ہے اور دوسری اہم وجہ سائنسی معلومات سے ناآگاہی ہے.

قرآنِ پاک کی آیات کی وضاحت میں دلچسپی لینے کا شوق کوئی نیا نہیں ہے. صحابہ کرام (جہاں) حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے (قرآن کی دوسری آیات کے متعلق دریافت کرتے تھے وہیں) انسانی افزائش نسل سے متعلقہ آیات کے بارے میں بھی سوال کیا کرتے تھے پغمبرِ اسلام ﷺ کے ان سوالات کے جوابات علمِ حدیث کی بنیاد بنے.

قرآنِ پاک میں سورۃ الزمر میں ارشاد ہوتا ہے (آیت نمبر ٦) "وہ بناتا ہے تمہیں تمھاری ماؤں کے شکموں میں (تدریجاً) ایک حالت سے دوسری حالت تین اندھیروں میں."

نہ جانے کس زمانے میں انسان کو اس حقیقت کا علم ہوا کہ انسان کی نشوو نما بچہ دانی (uterus) میں ہوتی ہے مگر تاریخ میں پہلی بار رحم میں پوری طرح نشو ونما پائے ہوئے انسانی جنین (foetus) کے متعلق خاکہ پندرھویں صدی عیسوی میں لیونارڈو ڈاونسی (leonardo-da-vinci) نے پیش کیا. یادرہے کہ دوسری صدی عیسوی میں گیلن (Galan) نے وہ غلاف جس میں جنین پروش پاتا ہے (Placenta) اور دوسر جنیناتی جھلیوں (On the Foetal menbranes کی اپنی کتاب formation of foetus میں وضاحت کردی تھی. نتیجۃً ہوسکتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی (جس میں قرآن نازل ہوا) کہ ماہرین طب انسانی جنین کے رحمِ مادر (بچہ دانی) کے اندر پرورش پانے سے متعلق آگاہی رکھتے ہوں مگر یہ ناممکن ہے کہ وہ یہ جانتے ہوں کہ جنین کی پرورش مرحلہ وار (تدریجاً) ہوتی ہے حالانکہ ارسطو نے چوتھی صدی عیسوی میں چوزے کے جنین. (chick embryo) کی پرورش کے مراحل کو بیان کیا تھا مگر انسانی جنین

کی پرورش کے مراحل کو پندرھویں صدی سے پہلے نہ تو بیان کیا گیا اور نہ ہی اس سے متعلق کوئی خاکہ پیش کیا گیا۔

سترھویں صدی عیسوی میں لیو وین ہوک (leeu wen hoek) نے خوردبین (Microsope) کی دریافت کے بعد چوزے کے جنین (chick embryo) کے ابتدائی مراحل کو بیان کیا. انسان کے جنین کی پرورش کی تدریج کے حوالے سے بیسویں صدی سے پہلے کوئی بھی سائنس دان مفروضہ تک نہ پیش کر سکا. "سٹریٹر" (streeter) نے ۱۹۴۱ء میں انسانی جنیناتی نشو و نما کے متعلق ایک نظام وضع کیا جس کی جگہ اب" او ریہلی (o' rahilly) کے پیش کردہ زیادہ مناسب نظام نے لے لی ہے.

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ کی روشنی میں "تین اندھیروں" کی وضاحت موجودہ انسانی جنیناتی علم (Human embryology) کی مدد سے یوں کی جا سکتی ہے کہ پہلی آڑ شکمِ مادر کی سامنے والی سطح (Anferior abdominal wall) "دوسری آڑ بچہ دانی کی دیوار (uterine wall) اور تیسری آڑ وہ جھلیاں ہیں جن میں جنین پرورش پاتا ہے (chorio aminion). اگرچہ ان آیاتِ مبارکہ کی اور بھی تشریحات

کی گئی ہیں مگر جو تشریح یہاں بیان کی گئی ہے وہ جینیاتی علم کے حوالے سے سب سے زیادہ مناسب اور منطقی محسوس ہوتی ہے.

قرآنِ پاک میں سورۃ المومنون (آیات ۱۳-۱۴) میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے" پھر ہم نے رکھا اس کو ایک بوند کی صورت میں (نطفہ) ایک محفوظ مقام میں پھر ہم نے اس بوند کو بنا دیا ایک جونک نما شکل (علقہ) میں. پھر ہم نے بنایا اس جونک نما شکل کو چبائے ہوئے گوشت (مضغۃ) کی مانند. پھر ہم نے اس چبائے ہوئے گوشت کی ساخت سے ہڈیاں بنائیں اور ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت پھر ہم نے اسے ایک نئی مخلوق کی شکل دے دی"۔

۱۔ نطفہ یا بوند کی توضیح نر کے مادہ تولید (Sperm or spermatozoon) کی جاتی ہے مگر زیادہ مناسب تشریح بار آور بیضہ (Zygote) معلوم ہوتی ہے جو کہ تقسیم ہو کر زیادہ خلیوں پر مشتمل ساخت (Blastocyst) بناتا ہے جو کہ رحم مادر (Uterus) یعنی ایک محفوظ مقام میں نصب ہو جاتا ہے. اس وضاحت سے قرآنی آیت کے مفہوم کو تقویت ملتی ہے جس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ انسان کو ایک ملاپ شدہ قطرے سے پیدا کیا گیا "بار آور بیضہ نر اور مادہ کی تولیدی اجزاء

(ملاپ شدہ قطرہ (Sperm & ovum) کے ملاپ سے بنتا ہے۔
(Mixed drop)

۲۔ لفظ علقہ کا مناسب مفہوم ایک جونک یا خون چوسنے والا جاندار ہے۔ یہ نہایت ہی مناسب تعبیر ہے۔ کیونکہ ایک انسانی جنین ۷ سے ۲۴ دن کے دوران جب وہ بچہ دانی (uterus) کی اندرونی سطح (Endo mekium) کے ساتھ چمٹ جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے جونک جلد کے ساتھ چمٹتی ہے۔ بلکہ ایسے ہی جیسے جونک (Leech) اپنے شکار (Host) کا خون چوستی ہے اسی طرح انسانی جنین حاملہ بچہ دانی کی اندرونی سطح (Decidua or Endomekium) سے خون حاصل کرتا ہے (جدید سائنسی جینیاتی علم (Embryology) کے مطابق یہ غیر معمولی حقیقت ہے کہ انسانی جنین ۲۳ ویں یا ۲۴ ویں دن کے قریب بالکل جونک کی شکل اختیار کر لیتا ہے (جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں اللہ رب العزت نے بیان فرمایا ہے) اس وقت یعنی ساتویں صدی عیسوی میں (قرآن کے نزول کے وقت) جب کسی قسم کے عدسے یا خوردبین دستیاب نہ تھے۔ اس وقت کے ماہرینِ طب کیونکر یہ جان سکتے تھے کہ انسانی جنین کی (چوتھے ہفتے کے آغاز میں) شکل جونک کی مانند ہوتی ہے۔ کیونکہ

ہفتے کے آغاز میں انسانی جنین کو بمشکل "بغیر کسی آلات کے" آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے جب اسکی جسامت گندم کے دانے سے بھی چھوٹی ہوتی ہے.

۳۔ عربی کے لفظ مضغۃ کا مفہوم ہے چبایا ہوا لوتھڑا. چوتھے ہفتے کے آخری حصے میں انسانی جنین چبائے ہوئے گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے. یہ شکل سومائیٹ (Somite) کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے. کیونکہ سومائٹس دانتوں کے نشانات کی مثل ہوتے ہیں. جو کہ ریڑھ کی ہڈی کی نشو ونما کی ابتدائی شکل کو ظاہر کرتے ہیں. (یعنی اس مرحلے پر ریڑھ کی ہڈی کی نشو ونما شروع ہو جاتی ہے)

۴۔ آیتِ مبارکہ کا یہ حصہ ظاہر کرتا ہے کہ پچھلی حالت (مضغۃ) یعنی چبائے ہوئے گوشت کے لوتھڑے کی شکل کے جنین سے ہڈیاں پٹھے (Muscles) بنتے ہیں. یہ بات بعینہ انسانی جینیاتی نشو ونما کے مطابق ہے. پہلے ہڈیاں مڑ کھنی ساختوں (Cathillages) سے اور پھر پٹھے(Muscbes a flesh)ان مذکورہ بالا سومائٹس (Samites) سے تشکیل پاتے ہیں.

۵۔ مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ہڈیاں اور گوشت کی تشکیل کے بعد نتیجتاً انسانی جنین ایک نئی شکل وصورت اختیار کر لیتا ہے. یہ اشارہ ہوسکتا ہے اس

جینیاتی مرحلے کی طرف جو کہ آٹھویں ہفتے کے اختتام پر ظاہر ہوتا ہے. اس وقت انسانی جنین میں امتیازی انسانی خصائل پائے جاتے ہیں نیز اس کی بیرونی اور اندرونی اعضاء اور دیگر حصے انسان کی زندگی کے ابتدائی حصے کو ظاہر کرتے ہیں. (جنینیاتی علم Embryology کے مطابق) آٹھویں ہفتے کے بعد انسانی جنین کو "Foetus" کا نام دیا جاتا ہے. یہ اسی "Foetus" کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جسے قرآن نے ایک نئی مخلوق سے تعبیر کیا ہے.

سورۃ السجدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے (آیت نمبر ۹)

"پھر اس نے تمہیں عطا کی قوتِ سماعت اور بصارت اور سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت" اِس آیتِ مبارکہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خاص حواس (Speual Senses) یعنی سماعت، بصارت اور غور و فکر شاید اِسی مذکورہ ترتیب سے انسانی جنین میں نمودار ہوتے ہوں گے. (جینیاتی علم یعنی Embryology کے مطابق) یہ بات بالکل درست ہے. جنین میں اندرونی کان کی ساخت، آنکھوں سے پہلے ظاہر ہوتی ہے جبکہ دماغ (جس کا تعلق سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے ہے) انکے بعد ترتیب پاتا ہے.

سورۂ حج کی آیت ۵ میں ارشاد ہوتا ہے" پھر چبائے ہوئے گوشت کے لوتھڑے سے جسکا کچھ حصہ مکمل ہوتا ہے اور کچھ نا مکمل" آیت یہ حصہ اس جنینیاتی مرحلے کی طرف اشارہ کر رہا ہے جب جنین مکمل یا نامکمل اعضاء پر مشتمل ہوتا ہے ۔مثال کے طور پر جب مڑکھنی ہڈیاں (catrtillage bomes) اپنی ساخت کے لحاظ سے تکمیل پا جاتی ہیں تب بھی جنینیاتی (Connective tissue) اور بعض دوسرے حصے غیر مکمل ہوتے ہیں یہ غیر مکمل حصے پرورش کے بعد پٹھوں (Muscles)اور لگا منٹس (ligaments) کی شکل اختیار کر لیتے ہیں

اسی آیتِ مبارکہ کے اگلے حصے میں ارشاد ہوتا ہے۔ "ہم قرار بخشتے ہیں رحموں میں جیسے چاہتے ہیں ایک مقرّرہ میعاد تک ہے۔ مفہوم یہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ کس جنین نے اپنی پوری عمر (نو مہینے) تک رحم مادر میں ٹھہرنا ہے۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ کئی جنین کی پہلے مہینے کی پرورش کے دوران ہی حمل ساقط ہو جاتا ہے اور ایک اندازے کے مطابق صرف ۳۰ فی صد بارآور بیضے (Zygotes) ہی اس مکمل جنین کو تشکیل دیتے ہیں جو پیدائش تک زندہ رہتا ہے۔ اس آیت مبارکہ کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ جنین

نے لڑکے کی صورت اختیار کرنی ہے یا لڑکی کی۔

قرآن پاک کی آیت جو کہ انسانی نشو ونما سے متعلق ہیں کی سائنسی وضاحت ساتویں صدی عیسوی میں بلکہ آج سے ایک سو سال پہلے تک بھی ممکن نہ تھی۔ ہم آج ان آیات کو سمجھ سکتے ہیں کیونکہ جدید سائنسی جنینیاتی علوم نے ہمیں ان آیات کو سمجھنے کے قابل بنا دیا ہے۔ بلاشبہ قرآنِ پاک میں جنینیاتی نشو ونما کے بارے میں اور بھی بہت سی آیات موجود ہیں۔ جو کہ مستقبل میں سمجھی جا سکیں گی جب انسان سائنسی علوم پر مزید دسترس حاصل کر لے گا۔

(۲)

قلب---مرکزِ ادراک وعقل

معترض نے Thinking with breasts کے عنوان سے بھی ایک اعتراض کیا۔ اگرچہ اس اعتراض کی تفصیل درج نہیں کی گئی لیکن محسوس یہ ہوتا ہے کہ اعتراض یہ ہوگا "قرآن کریم نے قلب کو ادراک وعقل کا مرکز بھی قرار دیا حالانکہ اسکا مرکز دماغ ہے۔"

اس اعتراض کیلئے عربی لغت اور قرآن میں لفظ "قلب" کی اصطلاح کی ضروری تفصیلات درج ذیل ہیں:

ابن ہشام نے قلب کے چار اہم معانی لکھے ہیں:

دل، عقل، ہر چیز کا لب اور مغز، ہر چیز کا بہترین حصہ۔

ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس مادے میں دو بنیادی معنی ہیں:

(ا) کسی چیز کا خالص اور گراں قدر حصہ

(ب) کسی کو ایک رخ سے دوسرے رخ پر پھیرنا۔

(حسن تفسیر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، جلد دوم ص:۲۲۸)

ابو حفص عمر بن علی (متوفی ۸۸۰ھ) لکھتے ہیں:

وکثیرا مایراد بہ العقل و یطلق ایضاً علی لب کل شئی و خالصہ (اللباب فی علوم الکتاب جلد اول ص:۳۲۳)

فراء کہتے ہیں: عربی میں یہ کہنا درست ہے:

مالک قلب تم عقل نہیں رکھتے؟

وما قلبک معک تمہاری عقل تمہارے پاس نہیں؟

این ذھب قلبک ای عقلک (تاج العروس جلد۴، ص:۷۰)

ان اقتباسات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اہل عرب عقل و فہم وتدبر کیلئے قلب کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے قلب کو مختلف معانی میں استعمال کیا ہے جو اہل عرب میں معروف تھے۔ ان میں سے بعض

درج ذیل ہیں

۱-ادراک وعقل (سورۃ ق آیت ۳۷)

۲-روح وجان (سورۃ احزاب آیت:۱۰)

۳-مرکز عواطف ومہربانی (سورۃ انفال آیت:۱۲)

(آل عمران آیت:۵۹) (تفسیر نمونہ جلد اول ص:۱۰۰)

واضح رہے کہ ہر فن کی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں۔ اسی طرح ادب اور سائنس کی اصطلاحات جداگانہ ہیں۔ اردو میں دل چاہنا، دل لگنا، دل آنا جیسے محاورات کا استعمال خالصتاً ادبی حوالہ سے ہے نہ کہ سائنسی نکتۂ نظر سے۔ علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"قلب گوشت کا ایک صنوبری عضو ہے جسکا کام خون کو تمام جسم میں پہچانا ہے، دل کے پھیلنے اور سکڑنے سے پورے جسم میں خون گردش کرتا ہے، جب طب اور میڈیکل سائنس کی زبان میں دل کا استعمال کیا جائے تو اس سے یہی معنی مراد ہوتا ہے اور ادب اور روزمرہ گفتگو میں دل کے لفظ سے عقل کا ارادہ کیا جاتا ہے کیونکہ سوچ بچار غور وفکر اور علم اور ادراک کا محل عقل ہے، قرآن طب اور میڈیکل سائنس کی کتاب نہیں ہے بلکہ رشد وہدایت کی کتاب ہے اس میں عرب کے عام رواج اور اسلوبِ کلام کے مطابق خطاب کیا گیا ہے اس لئے قرآن کی زبان میں قلب سے عقل ہی مراد ہوتی ہے۔" (تبیان القرآن جلد اول ۲۹۷،۲۹۸)

ایک دوسرے مقام پر تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں عقل اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کی گئی ہے دماغ کی طرف نہیں کی گئی اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن سائنس کی زبان میں نہیں بلکہ عرف اور ادب کی زبان میں کلام کرتا ہے اور روزمرہ کی گفتگو، عرف، محاورات اور ادبی زبان میں علم وادراک، سوچ وبچار احساسات، جذبات، خیالات بلکہ دماغ کے تمام افعال کو سینے اور دل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حتی کہ کسی چیز کے یاد ہونے کو کہتے ہیں کہ وہ تو میرے سینے میں موجود ہے کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا، میرا دل اس کو نہیں مانتا حالانکہ دل تو صرف خون پمپ کرنے کا ایک آلہ ہے سائنسی ترقی کے اس دور میں بھی پڑھے لکھے ادیب اور سائنس دان اپنی گفتگو میں الفت ومحبت اور علم وادراک کی نسبت دل کی طرف کرتے ہیں دماغ کی طرف نہیں کرتے۔

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے فرمایا قرآن مجید میں عام سطح کے لوگوں اور عرف کے مطابق خطاب کیا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ عقل اور سائنس اعلی درجہ کے دماغوں کے مطابق خطاب کرتا تو یہ عام لوگوں کے لئے غیر مانوس ہوتا اور وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکتے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے بھی خلاف ہے اور اسکی رحمت کے بھی خلاف تھی۔

(شرح صحیح مسلم جلد ۴، ص: ۴۱۴)

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"دل کا لفظ ادب کی زبان میں کبھی اس معنی میں استعمال نہیں ہوا جس میں یہ لفظ علم تشریح (Anatomy) اور علم وظائف (Physiology) میں استعمال ہوتا ہے۔

ادب میں دماغ (Reason) کی نمائندگی کرتا ہے اور اس کے برعکس دل جذبات وحسیات اور خواہش وارادے کا مرکز مانا جاتا ہے ہم رات دن بولتے ہیں کہ میرا دل نہیں مانتا میرے دل میں یہ خیال آیا میرا دل یہ چاہتا ہے۔ انگریزی میں Qualities of Head and Heart کا فقرہ بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ الفاظ بولتے وقت کوئی شخص بھی علم تشریح والا دل مراد نہیں لیتا ہے۔ ممکن ہے کہ اسکا آغاز اسی نظریہ کے تحت ہوا ہو جو جالینوس کی طرف منسوب ہے لیکن ادب میں جو الفاظ رائج ہو جاتے ہیں وہ بسا اوقات اپنے ابتدائی معنی کے تابع نہیں رہتے۔" (رسائل ومسائل جلد دوم ص:۱۹۳)

(۳)

معترض کا یہ بھی کہنا ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ ہر چیز جوڑا جوڑا پیدا کی ہے لیکن بعض میں جوڑا نہیں۔ اس اعتراض کے جواب کیلئے زوج کے لفظ کی وضاحت ضروری ہے جس سے غلط فہمی کی بنیاد ختم ہو گی۔ سید مرتضی الزبیدی

لکھتے ہیں:

والاصل فی الزوج الصنف والنوع من کل شیٔ، وکل شیئین مقترنین: شکلین کانا او نقیضین: فھما زوجان وکل واحد منھما زوج (تاج العروس جلد ٦:ص:٢٢)

زوج کی اصل ہر چیز کی صنف اور نوع ہے۔ ہر دو چیزیں جو ہم قرین ہوں خواہ ہم شکل ہوں یا نقیضین ہوں وہ زوجان ہیں اور ان میں سے ہر ایک زوج ہے۔

سورۃ یاسین کی آیت:٣٦ کے تحت امین احسن صلاحی لکھتے ہیں:" لفظ ازواج انواع واقسام کے معنی میں بھی آتا ہے اور جوڑے جوڑے کے مفہوم میں بھی۔ یہاں یہ دونوں ہی معنوں کا جامع ہے" (جلد ٦ ص:٤٢٤)

حفص عمر بن علی ان جوڑوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سورۃ الذاریات کی آیت:٤٩ کے تحت لکھتے ہیں: المعنی (خلقنا زوجین) صنفین و نوعین مختلفین، کالسماءِ والارض، والشمس والقمر، والیل والنہار، والبر والبحر، والسھل والجبل، والشتاء والصیف، والجن والانس، والذکر والانثیٰ، والنور والظلمۃ، والایمان والکفر، والسعادۃ والشقاوۃ، والحق والباطل، والحلو والمر

(اللباب فی علوم الکتاب جلد ١٨، ص:١٠٢-١٠٣)

(خلقنا زوجین) کا معنی ہے دو مختلف صنفیں اور دو مختلف نوعیں: جس طرح زمین و آسمان، سورج اور چاند، رات اور دن، خشکی اور تری، میدان اور پہاڑ، سردی اور گرمی، جن وانس، مذکر و مونث، روشنی اور تاریکی، ایمان اور کفر سعادت مندی اور بد بختی، حق اور باطل شیریں اور تلخ۔

مولفین تفسیر نمونہ اس آیت کی سائنسی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بلکہ ممکن ہے کہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو کہ مثبت و منفی ذرات سے بنی ہوئی تمام اشیاءِ عالم، اور آج کے علمی نکتۂ نظر سے یہ بات مسلم ہے کہ ایٹم مختلف اجزاء سے مل کر بنتے ہیں، منجملہ ان کے وہ اجزاء جو منفی برقی بار کے حامل ہیں اور انہیں الیکٹرون کہا جاتا ہے اور وہ اجزاء جو مثبت برقی بار کے حامل ہوتے ہیں جو پروٹون کہلاتے ہیں۔ اس بنا پر شیٔ کی حتمی طور پر حیوان یا نباتات کے بارے میں تفسیر کرنا لازمی اور ضروری نہیں۔" (جلد ۲۲، ص: ۳۲۷)

پودوں میں نر و مادہ کے تصور کو آج جدید سائنس نے تسلیم کیا ہے لیکن قرآن نے صدیوں پہلے اس نظریہ کو بیان کیا۔ سورۃ الشعراء کی آیت: ۷، لقمان آیت: ۱۰، حج: آیت ۵، سورۃ ق آیت: ۷، سورۃ یٰسین آیت ۳۶ ملاحظہ فرمائیں کیا بعید ہے کہ آنے والے زمانہ میں مزید جوڑے بھی دریافت ہوں سورۃ یٰسین آیت ۳۶ کے آخری جملہ وممالا یعلمون کی تفسیر میں ابو حفص عمر بن علی لکھتے ہیں:

یدخل فیہ ما فی اقطاء السموات و تخوم الارض

(جلد ۱۶، ص: ۲۱۵)

پودوں میں جوڑا جوڑا کے حوالے سے ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنا ایک واقعہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "قرآن کریم کے الہامی ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس تاریک ترین زمانے میں رسولِ عربی ﷺ فداہ ابی و امی نے ایک ایسی حقیقت سے پردہ اٹھایا جیسے آج جدید ترین اور ماڈرن نظریہ سمجھا جاتا ہے۔

کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ میں نے اپنے ایک ہندو دوست سے (جس کی ساری زندگی نباتات کی چھان بین میں بسر ہوئی تھی) ذکر کیا کہ پودوں میں نر و مادہ کا نظریہ قرآن میں موجود ہے وہ کہنے لگا یہ کبھی نہیں ہوسکتا قرآن پاک ایک پرانی کتاب ہے اور یہ نظریہ بالکل تازہ ہے جب میں نے پکتھال کے انگریزی ترجمہ سے آیت بالا کا ترجمہ نکال کر اسے دکھلایا تو وہ کہنے لگا اگر مجھے اطمینان ہوگیا کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ درست ہے اور پکتھال کا ترجمہ بھی درست ہے تو میں قرآن کی صداقت کا علی روس الاشہاد اعلان کردونگا اور رسولِ عربی ﷺ کی ثنا و تمجید سے مجھے کوئی خیال نہیں روک سکے گا۔" (دو قرآن: ص: ۷۳-۷۴)

المختصر جو دو چیزیں مل کر کوئی نتیجہ پیدا کرتی ہیں وہ زوجین ہیں۔ زوجین کا ہر جگہ معنی مذکر و مونث نہیں بلکہ قسم بھی ہے سورۃ الذاریات میں یہی مراد ہے اور یہ

عربی لغت کے عین مطابق ہے۔

آخر میں یہ اقتباس بھی قابل غور ہے۔

عبدالعزیز عرفی لکھتے ہیں:

چند برس قبل امریکہ گئے تو ریاست فلوریڈا کے شہر Orland بھی تشریف لے گئے، وہاں ایک ادارہ Epcot Centre ہے۔اس میں مختلف شعبوں کے متعلق معلومات فراہم کی جاتی ہیں کہ امریکہ نے سائنسی تحقیقات کے حوالہ سے کیا کیا تحقیقات کی ہیں اوران سے کیا پایا ہے۔ان میں ایک شعبہ ایسا بھی ہے کہ جس میں سائنسی تحقیقات کے حوالے سے بتایا جاتا ہے کہ انسان اکیسویں صدی میں کس طرح زندگی گزارے گا اور انکی سائنسی تحقیقات اس کے لئے کس طرح سودمند ہوں گی۔اس ضمن میں وہ اسکرین پر فضا میں تیرتی یا چلتی ہوئی کاریں بھی دکھاتے ہیں اور خلا میں رہتے ہوئے انسان بھی، نیز کمنٹری کرتے ہوئے تفصیلات پر روشنی بھی ڈالتے ہیں۔آخر میں کمنٹیٹر بلاتکلف اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ ہمارے اس علم کی بنیاد قرآن ہے، ہم نے اپنی سائنسی فتوحات کی ابتداء اسی کتاب سے کی ہے۔

(فکرونظر جلد ۳۶، شمارہ ۳۔۴، ص:۱۷۲۔۱۷۳)